الفاظ قرآن کے معانی ومطالب کی پہچان پر مشتمل ایمان افروز کتاب

موسوم بہ

علم القرآن

تالیف: حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ رحمۃ اللہ القوی

اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں:

- آیاتِ قرآنیہ کی قسمیں
- تفسیر قرآن کے درجے اور ان کے احکام
- اصطلاحاتِ قرآنیہ اور جدا جدا ان کی تفصیل
- قواعدِ قرآنیہ (الفاظِ قرآنی کے معانی معلوم کرنے کے قواعد)
- مسائلِ قرآنیہ (گیارہ اختلافی مسائل کی تحقیق)

SC1286

الفاظ قرآن کے معانی اور مطالب کی پہچان پر مشتمل ایمان افروز کتاب

موسوم بہ

علم القرآن

تالیف

مفسر قرآن حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ رحمۃ اللہ الغنی

پیش کش

مجلس المدینة العلمیة (شعبہ تخریج)

ناشر

مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ وعلی الک واصحابک یا حبیب اللہ

نام کتاب : علم القرآن

مؤلف : حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ رحمۃ اللہ الغنی

پیش کش : مجلس المدینۃ العلمیۃ (شعبہ تخریج)

سن طباعت : شوال المکرّم ۱۴۲۸ھ بمطابق نومبر 2007ء

ناشر : مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی

مکتبۃ المدینہ کی شاخیں

- ......**کراچی** : شہید مسجد، کھارادر، باب المدینہ کراچی فون021-32203311
- ......**لاھور** : داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ فون042-37311679
- ......**سردار آباد** : (فیصل آباد) امین پور بازار فون041-2632625
- ......**کشمیر** : چوک شہیداں، میرپور فون058274-37212
- ......**حیدر آباد** : فیضانِ مدینہ، آفندی ٹاؤن فون022-2620122
- ......**ملتان** : نزد پیپل والی مسجد، اندرون بوہڑ گیٹ فون061-4511192
- ......**اوکاڑہ** : کالج روڈ بالمقابل غوثیہ مسجد، نزد تحصیل کونسل ہال فون044-2550767
- ......**راولپنڈی** : فضل داد پلازہ، کمیٹی چوک، اقبال روڈ فون051-5553765
- ......**خان پور** : دُرانی چوک، نہر کنارہ فون068-5571686
- ......**نواب شاہ** : چکرا بازار، نزد MCB فون0244-4362145
- ......**سکھر** : فیضانِ مدینہ، بیراج روڈ فون071-5619195
- ......**گوجرانوالہ** : فیضانِ مدینہ، شیخوپورہ موڑ، گوجرانوالہ فون055-4225653
- ......**پشاور** : فیضانِ مدینہ، گلبرگ نمبر 1، النور سٹریٹ، صدر

E.mail: ilmia@dawateislami.net

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

”محبت میں اپنی گُما یا الٰہی“ کے 20 حُروف کی نسبت سے اس کتاب کو پڑھنے کی ”20 نیّتیں“

فرمانِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلم: **نِیَّةُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ** مسلمان کی نیّت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، الحدیث:٥٩٤٢، ج٦، ص١٨٥، داراحیاء التراث العربی بیروت)

دو مَدَنی پھول: ﴿١﴾ بغیر اچّھی نیّت کے کسی بھی عملِ خیر کا ثواب نہیں ملتا۔
﴿٢﴾ جتنی اچّھی نیّتیں زِیادہ، اُتنا ثواب بھی زِیادہ۔

﴿١﴾ ہر بار حمد و ﴿٢﴾ صلوٰۃ اور ﴿٣﴾ تعوُّذ و ﴿٤﴾ تَسمِیَہ سے آغاز کروں گا۔ (اسی صَفْحہ پر اُوپر دی ہوئی دو عَرَبی عبارات پڑھ لینے سے چاروں نیّتوں پر عمل ہو جائے گا۔) ﴿٥﴾ رِضائے الٰہی عَزَّوَجَلَّ کیلئے اس کتاب کا اوّل تا آخِر مطالَعہ کروں گا۔ ﴿٦﴾ حتَّی الْوَسْع اِس کا باوُضُو اور ﴿٧﴾ قِبلہ رُو مُطالَعہ کروں گا ﴿٨﴾ قرآنی آیات اور ﴿٩﴾ اَحادیثِ مبارکہ کی زِیارت کروں گا ﴿١٠﴾ جہاں جہاں ”اللہ“ کا نام پاک آئے گا وہاں عَزَّوَجَلَّ اور ﴿١١﴾ جہاں جہاں ”سرکار“ کا اِسْمِ مبارک آئے گا وہاں صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلم پڑھوں گا۔ ﴿١٢﴾ اس روایت ”عِنْدَ ذِکْرِ الصَّالِحِیْنَ تَنَزَّلُ الرَّحْمَةُ یعنی نیک لوگوں کے ذِکر کے وقت رَحمت نازل ہوتی ہے۔“ (حِلیۃُ الاولیاء، الحدیث ١٠٧٥٠، ج٧، ص٣٣٥، دارالکتب العلمیۃ بیروت) پر عمل کرتے ہوئے اس کتاب میں دیئے

گئے واقعات دوسروں کو سُنا کر ذکرِ صالحین کی بَرَکتیں لُوٹوں گا۔﴿۱۳﴾(اپنے ذاتی نسخے پر) عِندَ الضَّرورت خاص خاص مَقامات پر انڈر لائن کروں گا۔﴿۱۴﴾(اپنے ذاتی نسخے پر) ''یادداشت'' والے صَفْحہ پر ضَروری نِکات لکھوں گا۔﴿۱۵﴾دعوتِ اسلامی کے مدنی قافلوں میں سفر کروں گا۔﴿۱۶﴾مدنی انعامات پر عمل کرتے ہوئے اس کا کارڈ بھی جمع کروایا کروں گا۔﴿۱۷﴾دوسروں کو یہ کتاب پڑھنے کی ترغیب دلاؤں گا۔﴿۱۸، ۱۹﴾اس حدیثِ پاک ''تَهَادَوْا تَحَابُّوْا'' ایک دوسرے کوتحفہ دو آپس میں محبت بڑھے گی۔ (الموطاء للامام مالك،الحديث:۱۷۳۱،ج۲،ص۴۰۷، دارالمعرفة بيروت) پر عمل کی نیت سے (ایک یاحسبِ توفیق) یہ کتاب خرید کر دوسروں کوتحفۃً دوں گا۔﴿۲۰﴾کتابت وغیرہ میں شَرْعی غَلَطی ملی تو ناشرین کوتحریری طور پر مُطّلع کروں گا۔(مصنّف یاناشرین وغیرہ کو کتابوں کی اَغلاط صِرْف زبانی بتانا خاص مفید نہیں ہوتا)

اچھی اچھی نیّتوں سے متعلق رَہنمائی کیلئے، **امیرِ اہلسنّت** دامت بَرَکاتُہم العالیہ کا منفرِد سنّتوں بھرا بیان ''**نیّت کا پھل**'' اور نیتوں سے متعلق آپ کے مُرتّب کردہ **کارڈ** یا **پمفلٹ** **مکتبة المدينه** کی کسی بھی شاخ سے ھدیّۃً حاصل فرمائیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

المدینۃ العلمیۃ

از: شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنّت، بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علاّمہ
مولانا ابو بلال **محمد الیاس عطار** قادری رضوی ضیائی دامت برکاتہم العالیہ

الحمد للّٰہ علٰی اِحْسَانِہٖ وَ بِفَضْلِ رَسُوْلِہٖ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم تبلیغِ قرآن و سنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک **''دعوتِ اسلامی''** نیکی کی دعوت، اِحیائے سنّت اور اشاعتِ علمِ شریعت کو دنیا بھر میں عام کرنے کا عزمِ مُصمّم رکھتی ہے، اِن تمام اُمور کو بحُسنِ خوبی سرانجام دینے کے لئے متعدّد مجالس کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جن میں سے ایک مجلس " **المدینۃ العلمیۃ** " بھی ہے جو دعوتِ اسلامی کے عُلماء و مُفتیانِ کرام کَثَّرَھُمُ اللّٰہُ تعالٰی پر مشتمل ہے، جس نے خالص علمی، تحقیقی اور اشاعتی کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل چھ شعبے ہیں:

(۱) شعبۂ کُتُبِ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (۲) شعبۂ درسی کُتُب
(۳) شعبۂ اصلاحی کُتُب (۴) شعبۂ تراجمِ کتب
(۵) شعبۂ تفتیشِ کُتُب (۶) شعبۂ تخریج

''**المدینۃ العلمیۃ**'' کی اوّلین ترجیح سرکارِ اعلیٰحضرت اِمامِ اَہلسنّت، عظیم البرکت، عظیمُ المرتبت، پروانۂ شمعِ رِسالت، مُجدِّدِ دین و مِلّت، حامیٔ

سنّت، ماحیِ بدعت، عالمِ شَرِیْعت، پیرِ طریقت، باعثِ خَیْر وبَرَکت، حضرتِ علّامہ مولٰینا الحاج الحافِظ القاری الشّاہ امام اَحمد رَضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن کی گِراں مایہ تصانیف کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق حتَّی الْوُسع سَہْل اُسلُوب میں پیش کرنا ہے۔

تمام اسلامی بھائی اور اسلامی بہنیں اِس عِلمی، تحقیقی اور اشاعتی مدنی کام میں ہر ممکن تعاون فرمائیں اور مجلس کی طرف سے شائع ہونے والی کُتُب کا خود بھی مطالعہ فرمائیں اور دوسروں کو بھی اِس کی ترغیب دلائیں۔

اللہ عزوجل ''دعوتِ اسلامی'' کی تمام مجالس بشُمُول ''**المدينة العلمية**'' کو دن گیارہویں اور رات بارہویں ترقّی عطا فرمائے اور ہمارے ہر عملِ خیر کو زیورِ اخلاص سے آراستہ فرما کر دونوں جہاں کی بھلائی کا سبب بنائے۔ ہمیں زیرِ گنبدِ خضرا شہادت، جنّت البقیع میں مدفن اور جنّت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلّم

رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

پیش لفظ

تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے لیے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور درود وسلام ہوں تمام رسولوں میں افضل ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفٰی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر اور آپ کی آل اور اصحاب پر، اما بعد! قرآن کریم وہ بلند رتبہ کتاب ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے ایسے عظیم نبی پر نازل فرمایا جن کے ذریعے نبیوں کی آمد کا سلسلہ مکمل ہوا اور وہ ایک ایسا دین لے کر تشریف لائے جو خاتم الادیان ٹھہرا۔ یہ وہ کتاب ہے جو مخلوق کی اصلاح کے لیے خالق کا دستور ہے۔ زمین والوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے آفاقی قانون ہے، اس کو نازل فرمانے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ فرمادیا اور قیامت تک کے لیے صرف شریعت محمدی اور دین اسلام کے واجب القبول ہونے کا اعلان کردیا۔

قرآن مجید دین اسلام اور شریعت محمدی کی اساس اور برہان ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر دلائل ہیں، انبیائے سابقین اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی نبوت، رسالت اور ان کی عظمتوں کا بیان ہے، حلال اور حرام، عبادات اور معاملات، آداب اور اخلاق کے جملہ احکام کا تذکرہ ہے، حشر ونشر اور جنت ودوزخ کا تفصیل سے ذکر ہے اور انسان کی ہدایت کے لیے جس قدر امور کی ضرورت ہوسکتی ہے اس سب کا قرآن مجید میں بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (پ ۱۴، النحل: ۸۹)

ترجمہ کنزالایمان: اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

لہٰذا ہر دور میں ارباب علم وفضل اور اصحاب تحقیق نے مختلف شکلوں میں قرآن پاک کے ہر پہلو پر ممکنہ تحقیقی کام جاری رکھا ہے۔کبھی قرآن کے الفاظ اور اس کی ادائیگی کے طریقوں پر تحقیق ہوئی تو کبھی قرآن پاک کا اسلوب اور اعجاز مرجع التفات رہا۔کوئی قرآن پاک کی کتابت اور رسم الخط کے طریقوں کو اپنا موضوع تحقیق بناتا ہے تو کسی کا وظیفہ حیات اور شغل زندگی قرآن مجید کی تفسیر اور اس کی آیات کی شرح کرنے کی سعادت حاصل کرنا رہا ہے،اسی طرح اور بہت سے گوشوں پر تحقیقی کام ہوا۔

علمائے امت نے قرآن مجید کے مختلف پہلوؤں پر الگ الگ تحقیق وریسرچ کر کے مستقل کتابیں تالیف کی ہیں، ان کے لیے علوم وضع کیے اور کتب مدون فرمائیں اور اس وسیع میدان میں بہت بلیغ کوششیں فرمائی ہیں اور یہ سلف صالحین کی کوششوں ہی کا نتیجہ ہے کہ آج ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ اور عظیم کارناموں کی بدولت نہایت قابل قدر علمی سرمایہ سے ہمارے کتب خانے مالا مال ہیں اور اس گراں قدر علمی سرمایہ پر ہمیں بجا طور پر فخر رہا ہے۔

اس طرح علماء محققین کی کاوشوں سے آج ہمیں جملہ علوم وفنون پر گراں بہا تصانیف دستیاب ہیں اور ''علم القرآن لترجمۃ الفرقان'' بھی انہیں میں سے ایک بیش بہا خزانہ ہے۔مفسر قرآن حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی ذات ستودہ صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں،آپ کے زور قلم اور تبحر علمی کا اندازہ ''**جاء الحق**'' ''**شانِ حبیب الرحمٰن** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' ''**سلطنت مصطفیٰ** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' ''**اسلامی زندگی**'' ''**دیوان سالک**'' اور آپ کی شہرہ آفاق تفسیر ''**تفسیر نعیمی**'' سے لگایا جاسکتا ہے۔زیر نظر کتاب ''علم القرآن'' بھی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قرآن فہمی اور وسعت علمی کا منہ بولتا

ثبوت ہے، جسے آپ نے نہایت عرق ریزی سے بڑی مہارت کے ساتھ ترتیب دیا ہےاور بہت آسان انداز میں ترجمہ قرآن کے اصول بیان فرمائے ہیں۔اس کتاب کی ضرورت کیوں پیش آئی،اس بارے میں خود آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابتدائی صفحات میں بڑی تفصیل سے وضاحت فرمائی اور اس ضمن میں باطل فرقوں کے خودساختہ تراجم کی نقاب کشائی کر کے ان (فرقوں) کی اصل حقیقت بیان کردی ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں ہماری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے اور ہمیں اس کتاب سے کما حقہ مستفید و مستفیض ہونے کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم

الحمد للہ عزوجل تبلیغِ قرآن وسنت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک ''دعوتِ اسلامی'' کی مجلس ''المدینۃ العلمیۃ'' نے اکابرین و بزرگان اہلسنت کی مایہ ناز کتب کو حتی المقدور جدید انداز میں شائع کرنے کا عزم کیا ہے، چنانچہ ''المدینۃ العلمیۃ'' کے مدنی عملہ کے علماء نے اس کتاب پر درج ذیل کام کرنے کی سعادت حاصل کی:

☆ نئی کمپوزنگ، جس میں علامات ترا قیم کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

☆ محتاط پروف ریڈنگ، متن کی حتی المقدور تصحیح کے لیے دیگر مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ۔

☆ حوالہ جات کی حتی المقدور تخریج، نیز فارسی عبارات کی درستگی اور پیرابندی وغیرہ۔

☆ اور سب سے اہم اور توجہ طلب کام آیات قرآنی کی تصحیح و تطبیق، کیونکہ اس کتاب میں سینکڑوں مقامات پر آیات قرآنیہ اپنی برکات لٹا رہی ہیں۔اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ان مدنی علماء کی یہ کوشش قبول فرمائے اور انہیں جزائے جزیل عطا فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنْهُمْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ

شعبہ تخریج (مجلس المدینۃ العلمیۃ)

فہرست

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

دیباچہ

یہ زمانہ جس پُرخطر دور سے گزر رہا ہے وہ سب پر ظاہر ہے کہیں الحاد و بے دینی کی ہوائیں چل رہی ہیں کہیں دیو بندیت، مرزائیت کی آندھیاں اٹھ رہی ہیں، ہر روز نئے نئے فرقے جنم لے رہے ہیں اور ہر فرقہ بغل میں قرآن دبا کر ہی دام فریب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے جس کو دیکھو قرآن سنا سنا کر اپنی سچائی کا اعلان کر رہا ہے۔ جاہل سے جاہل بھی اپنے کو علامۂ زمان سمجھ کر اکابرین اسلام بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی ذات بابرکات پر بھی زبان طعن دراز کرنے سے نہیں چُوکتا اور اپنے مقصد کیلئے قرآن کریم ہی کو پیش کر کے بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کوشاں ہے اور ترجمہ قرآن کی آڑ میں بے دینی پھیلا رہا ہے یہی وہ زمانہ ہے جس کے بارے میں نبی کریم سرورِ کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''مسلمان کے لئے اس وقت زمین کی پیٹھ سے زمین کا پیٹ بہتر ہے خوش قسمت ہے وہ شخص جو اس زمانے میں دین سلامت لے گیا۔'' (حدیث)

مسلمانو! دین اسلام بہت بڑی دولت ہے اس کی حفاظت بہت ہی ضروری ہے۔ مفسر قرآن حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں صاحب قبلہ نے مسلمانوں کو ترجمہ قرآن پڑھنے کیلئے اور فتنے سے بچانے کے لئے یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے تا کہ اس کو پڑھ کر مسلمان قرآن کی صحیح فہم حاصل کر سکیں۔ اس کتاب میں قرآن کی اصطلاحیں قرآن کے قواعد اور قرآنی مسائل اس عمدہ طریقے سے بیان کئے گئے ہیں کہ جن سے ترجمہ قرآن بہت آسان ہو جاتا ہے۔

صاحبزادہ اقتدار احمد خاں مفتی دار العلوم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ کَانَ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیۡنَ الۡمَاءِ وَالطِّیۡنِ سَیِّدِنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیۡنَ وَاَصۡحَابِہِ الطَّاھِرِیۡنَ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ

آج سے پچاس سال پہلے مسلمانوں کا یہ طریقہ تھا کہ عام مسلمان قرآن کریم کی تلاوت محض ثواب کی غرض سے کرتے تھے اور روزانہ کے ضروری مسائل پاکی پلیدی، روزہ نماز کے احکام میں بہت محنت اور کوشش کرتے تھے۔عام مسلمان قرآن شریف کا ترجمہ کرتے ہوئے ڈرتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ یہ دریا ناپیدا کنار ہے۔ اس میں غوطہ وہی لگائے جو اس کا شناور ہو، بے جانے بوجھے دریا میں کودنا جان سے ہاتھ دھونا ہے اور بے علم وفہم کے قرآن شریف کے ترجمہ کو ہاتھ لگانا اپنے ایمان کو برباد کرنا ہے نیز ہر مسلمان کا خیال تھا کہ قرآن شریف کے ترجمہ کا سوال ہم سے نہ قبر میں ہوگا نہ حشر میں۔ہم سے سوال عبادات، معاملات کا ہوگا اسے کوشش سے حاصل کرو یہ تو عوام کی روش تھی رہے علماء کرام اور فضلائے عظام، ان کا طریقہ یہ تھا کہ قرآن کریم کے ترجمہ کے لئے قریباً اکیس علوم میں محنت کرتے تھے مثلاً صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، ادب، لغت، منطق، فلسفہ، حساب، جیومیٹری، فقہ، تفسیر، حدیث، کلام، جغرافیہ، تواریخ اور تصوف، اصول وغیرہ۔ان علوم میں اپنی عمر کا کافی حصہ صرف کرتے تھے۔ جب نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے ان علوم میں پوری مہارت حاصل کر لیتے تب قرآن شریف کے ترجمہ کی طرف توجہ کرتے پھر بھی اتنی احتیاط سے کہ آیات متشابہات کو ہاتھ نہ لگاتے تھے کیونکہ اس قسم کی آیتیں رب تعالٰی اور اس کے محبوب صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان راز ونیاز ہیں، اغیار کو یار کے معاملہ میں دخل دینا روانہیں

میان طالب و مطلوب رمز یست! کراما کاتبیں راہم خبر نیست!

رہیں آیات محکمات ان کے ترجمہ میں کوشش تو کرتے مگر گزشتہ سارے علوم کالحاظ رکھتے ہوئے مفسرین، محدثین، فقہا کے فرمان پر نظر کرتے ہوئے پھر بھی پوری کوشش کرنے کے باوجود قرآن کریم کے سامنے اپنے کو طفل مکتب جانتے تھے۔

اس طریقۂ کار کا فائدہ یہ تھا کہ مسلمان بدمذہبی، لادینی کا شکار نہ ہوتے تھے وہ جانتے بھی نہ تھے کہ قادیانی کس بلا کا نام ہے اور دیوبندی کہاں کا بھوت ہے۔ غیر مقلدیت، نیچریت کس آفت کو کہتے ہیں۔ چکڑالوی کس جانور کا نام ہے۔ علماء کے وعظ خوف خدا عظمت وہیبت حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، مسائل دینیہ اور علمی معلومات سے بھرے ہوتے تھے وعظ سننے والے وعظ سن کر مسائل ایسے یاد کرتے تھے جیسے آج طالب علم سبق پڑھکر تکرار کرتے ہیں کہ آج مولوی صاحب نے فلاں فلاں مسئلہ بیان فرمایا ہے غرضیکہ عجیب نوری زمانہ تھا اور عجب نورانی لوگ تھے۔

اچانک زمانہ کا رنگ بدلا، ہوا کے رخ میں تبدیلی ہوئی بعض نادان دوستوں اور دوست نما دشمنوں نے عام مسلمانوں میں ترجمہ قرآن کرنے اور سیکھنے کا جذبہ پیدا کیا اور عوام کو سمجھایا کہ قرآن عوام ہی کی ہدایت کے لئے آیا ہے اس کا سمجھنا بہت سہل ہے۔ ہر شخص اپنی عقل وسمجھ سے ترجمہ کرے اور احکام نکالے اس کے لئے کسی علم کی ضرورت نہیں۔ عوام میں یہ خیال یہاں تک پھیلایا کہ لوگوں نے قرآن کو معمولی کتاب اور قرآن والے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو معمولی بشر سمجھ کر قرآن کے ترجمے بے دھڑک شروع کر دیئے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کا انکار بلکہ اس ذات

کریم سے برابری کا دعوی شروع کردیا۔

اب عوام جہلا یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ خواندہ، ناخواندہ، انگریزی تعلیم یافتہ لغت کی تھوڑی باتیں یاد کر کے بڑے دعوے سے قرآن کا ترجمہ کررہا ہے اور جو کچھ اس کی ناقص سمجھ میں آتا ہے اسے وحی الٰہی سمجھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں روزانہ نئے نئے فرقے پیدا ہو رہے ہیں جو ایک دوسرے کو کافر، مشرک، مرتد اور خارج از اسلام سمجھتے ہیں۔

لطیفہ:

ایک اردو اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے دوران تقریر کہا کہ جس کو قرآن کا ترجمہ نہ آتا ہو وہ نماز ہی نہ پڑھے کہ جب عرضی دینے والے کو یہ خبر ہی نہیں کہ درخواست میں کیا لکھا ہے تو درخواست ہی بیکار ہے میں نے کہا کہ پھر عربی زبان میں نماز پڑھنے کی کیا ضرورت ہے موجودہ انجیلوں کی طرح قرآن کے اردو ترجمے اور اردو خلاصے بنالو، اس میں نماز پڑھ لیا کرو، رب تعالیٰ اردو جانتا ہے۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

آج ہر بدمذہب ہر شخص کو قرآن کی طرف بلا رہا ہے کہ آؤ میرا دین قرآن سے ثابت ہے اسی پر فتن زمانہ کی خبر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی۔ اور ایسے دجالوں کا ذکر سرکار نے فرمایا تھا: یَدْعُوْنَ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ وہ گمراہ گروہ ہر ایک کو قرآن کی طرف بلائے گا۔

(سنن ابی داود، کتاب السنة، باب فی قتال الخوارج، الحدیث ٤٧٦٥، ج٤، ص ٣٢٠، دار احیاء التراث العربی بیروت)

رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا۝ مسلمان اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر گونگے اندھے ہوکر نہیں گر پڑتے۔

(پ۱۹،الفرقان:۷۳)

کانپور میں ایک بدمذہب پیدا ہوا، مسمّٰی عزیز احمد حسرت شاہ جس نے ماہوار رسالہ ''شحنۂ شریعت'' جاری کیا۔ اس میں بالالتزام لکھتا تھا کہ سارے نبی پہلے مشرک تھے، گنہگار تھے، معاذ اللہ بدکردار تھے، پھر توبہ کرکے اچھے بنے اور حسب ذیل آیات سے دلیل پکڑتا تھا کہ رب تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی۝(پ۱۶،طٰہٰ:۱۲۱) آدم علیہ السلام نے رب کی نافرمانی کی لہٰذا گمراہ ہوگئے۔ حضور علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی۝ (پ۳۰،الضحی:۷) یعنی رب نے تمہیں گمراہ پایا تو ہدایت دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند، ستارے، سورج کو اپنا رب کہا، یہ شرک ہے۔ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ (پ۷،الانعام۷۸) حضرت آدم وحوا کے بارے میں فرمایا: جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰهُمَا(پ۹،الاعراف:۱۹۰) ان دونوں نے اپنے بچہ میں رب کا شریک ٹھہرایا۔ یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا ج لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ط (پ۱۲،یوسف:۲۴) یقیناً زلیخا نے یوسف اور یوسف نے زلیخا کا قصد کرلیا اگر رب کی برہان نہ دیکھتے تو زنا کر بیٹھتے پھر لکھا کہ غیر عورت کو نظر بد سے دیکھنا اور برا ارادہ کرنا کتنا برا کام ہے جو یوسف علیہ السلام سے سرزد ہوا۔ داؤد علیہ السلام نے اوریا کی بیوی پر نظر کی اور اوریا کو قتل کروادیا۔ یہاں تک بکواس کی کہ آدم علیہ السلام اور ابلیس دونوں سے گناہ بھی ایک ہی طرح کا ہوا اور سزا بھی یکساں ملی کہ ابلیس سے کہا

گیا: فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ ۝ (پ ۱۴، الحجر: ۳۴) تو جنت سے نکل جا تو مردود ہے۔ آدم علیہ السلام سے کہا گیا: قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا ج (پ ۱، البقرۃ: ۳۸) ہم نے کہا کہ تم یہاں سے نکل جاؤ۔ غرضیکہ دونوں کو دیس نکالے کی سزا دی ہاں پھر آدم علیہ السلام نے توبہ کرلی اور ابلیس نے توبہ نہ کی ۔ میں نے اس مرتد کو بہت سے جوابات دیئے مگر وہ یہ ہی کہتا رہا کہ میں قرآن پیش کررہا ہوں کسی بزرگ، عالم، صوفی کے قول یا حدیث ماننے کو تیار نہیں۔ آخر کار میں نے اسے کہا کہ بتا رب تعالیٰ بھی بے عیب ہے کہ نہیں؟ بولا: ہاں! وہ بالکل بے عیب ہے، میں نے کہا کہ قرآن مجید میں ہے کہ خدا میں عیب بھی ہیں اور خدا چند ہیں۔ خدا کے دادا بھی ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے: وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ ط وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ۝ (پ ۳، اٰل عمرٰن: ۵۴) کفار نے فریب کیا اور خدا نے فریب کیا خدا اچھا فریب کرنے والا ہے ۔ معاذ اللہ! دوسرے مقام پر فرماتا ہے: یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ ج (پ ۵، النساء: ۱۴۲)۔ یہ خدا کو دھوکا دیتے ہیں اور خدا انہیں دھوکا دیتا ہے۔ دیکھو دھوکا، فریب دہی، نمبر ۱۰ کے عیب ہیں مگر قرآن میں خدا کے لئے ثابت ہیں۔ اور فرماتا ہے: وَاَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا (پ ۲۹، الجن: ۳) ہمارے رب کا دادا بڑا خاندانی ہے۔ خدا کا دادا ثابت ہوا۔ اور فرماتا ہے: فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ۝ (پ ۱۸، المؤمنون: ۱۴) اللہ برکت والا ہے جو تمام خالقوں سے اچھا ہے۔ معلوم ہوا کہ خالق بہت سے ہیں۔ جب ترجمہ لفظی پر ہی معاملہ ہے تو اب رب کے لئے کیا کہے گا؟ تب وہ خاموش ہوا ہم نے اس سے جو گفتگو کی وہ اپنی کتاب ''قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء'' میں لکھ دی ہے جو جاء الحق کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع ہو چکی ہے۔ دیکھا آپ نے ان اندھا دھند ترجموں کا یہ نتیجہ ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت کیا اور اپنی نبوت کے ثبوت میں قرآن ہی کو پیش کیا، کہا کہ قرآن کہتا ہے: اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ (پ ۱۷، الحج: ۷۵) اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول پیغمبر چنتا رہے گا۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر، رسول آتے ہی رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ اندھا دھند ترجمے بے ایمانی کی جڑ ہیں۔ آنکھوں پر پٹی باندھ لو جو چاہو بکواس کرو اور قرآن سے ثابت کر دو۔ ابھی حال ہی میں ایک کتاب میری نظر سے گزری ہے ''جواہر القرآن'' جو کسی ملحد غلام اللہ خاں (اللہ کے غلام) نے لکھی ہے اس میں بھی اندھا دھند ترجمہ کیا گیا ہے بتوں کی آیات پیغمبروں پر، کفار کی آیتیں مسلمانوں پر بے دھڑک چسپاں کر کے مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دنیا بھر کے علماء، صوفیاء، مومنین اور صالحین مشرک تھے اور مسلمان موحد صرف میں ہی ہوں یا میری ذریت۔ بخاری شریف جلد دوم میں باب باندھا ہے۔ بَابُ الۡخَوَارِجِ وَالۡمُلۡحِدِیۡنَ خارجیوں اور بے دینوں کا باب وہاں ترجمہ باب میں فرمایا وَکَانَ ابۡنُ عُمَرَ یَرَاھُمۡ شِرَارَخَلۡقِ اللّٰہِ وَقَالَ اِنَّھُمۡ اِنۡطَلَقُوۡا اِلٰی اٰیَاتٍ نُزِلَتۡ فِی الۡکُفَّارِ فَجَعَلُوۡھَا عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان خارجیوں، ملحدوں کو اللہ کی مخلوق میں بدتر سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان بے دینوں نے ان آیتوں کو جو کفار کے حق میں نازل ہوئیں مسلمانوں پر چسپاں کیا۔ (صحیح البخاری، کتاب استتابۃ المرتدین ... الخ، تحت الباب قتل الخوارج و الملحدین ...الخ، ج ٤، ص ٣٨٠، دار الکتب العلمیۃ بیروت) یہ ہی طریقہ اس ملحد نے اختیار کیا ہے۔ غرضیکہ ترجمۂ قرآن بے دھڑک کرنا ہی ایسی بڑی بیماری ہے جس کا انجام ایمان کا صفایا ہے۔

ترجمہ قرآن میں دشواریاں

قرآن شریف عربی زبان میں اترا، عربی زبان نہایت گہری زبان ہے۔ اولاً تو عربی زبان میں ایک لفظ کے کئی معنے آتے ہیں جیسے لفظ ''ولی'' کہ اس کے معنی ہیں دوست، قریب، مددگار، معبود، ہادی، وارث، والی، اور قرآن میں یہ لفظ ہر معنے میں استعمال ہوا ہے۔ اب اگر ایک مقام کے معنی دوسرے مقام پر جڑ دیئے جائیں تو بہت جگہ کفر لازم آجاوے گا پھر ایک ہی لفظ ایک معنی میں مختلف لفظوں کے ساتھ ملکر مختلف مضامین پیدا کرتا ہے مثلاً شہادت بمعنی گواہی اگر "عَلٰی" کے ساتھ آئے تو خلاف گواہی بتاتا ہے اور اگر ''لام'' کے ساتھ آئے تو موافق گواہی کے معنی دیتا ہے۔ لفظ "قَالَ" بمعنی کہا۔ اگر ''لام'' کے ساتھ آوے تو معنی ہوں گے اس سے کہا۔ اگر "فِیْ" کے ساتھ آوے تو معنی ہوں گے اس کے بارے میں کہا۔ اگر "مِنْ" کے ساتھ آوے تو معنی ہوں گے اس کی طرف سے کہا، ایسے ہی ''دعا'' کہ قرآن میں اس کے معنی پکارنا، بلانا، مانگنا اور پوجنا ہیں۔ جب مانگنے اور دعا کرنے کے معنی میں ہو تو اگر ''لام'' کے ساتھ آوے گا تو اس کے معنی ہوں گے اسے دعا دی اور جب "عَلٰی" کے ساتھ آوے تو معنی ہونگے اسے بددعا دی۔

اسی طرح عربی میں لام، مِنْ، عَنْ، ب، سب کے معنی ہیں ''سے'' لیکن ان کے موقع استعمال علیحدہ ہیں اگر اس کا فرق نہ کیا جائے تو معنی فاسد ہوجاتے ہیں پھر محاورۂ عرب، فصاحت وبلاغت وغیرہ سب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ علم کامل کے بغیر یہ نہیں ہوسکتا اور جب عوام کے ہاتھ یہ کام پہنچ جائے تو جو کچھ ترجمہ کا

حشر ہوگا وہ ظاہر ہے۔اس لئے آج اس ترجمہ کی برکت سے مسلمانوں میں بہت فرقے بن گئے ہیں ۔ یہ مترجم حضرات اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ جو ان کے کیے ہوئے ترجمہ کو نہ مانے ،اسے مشرک مرتد ،کافر کہہ دیتے ہیں ۔تمام علماء وصلحاء کو کافر سمجھ کر اسلام کو صرف اپنے میں محدود سمجھنے لگے ہیں ، چنانچہ مولوی غلام اللہ خاں صاحب نے اپنی کتاب ''جواہر القرآن'' کے صفحہ ۱۴۱،۱۴۳ پر لکھا کہ جو کوئی نبی ، ولی ، پیر،فقیر کو مصیبتوں میں پکارے وہ کافر،مشرک ہے۔اس کا کوئی نکاح نہیں اور صفحہ ۱۵۲ پر تحریر فرمایا ہے کہ اس قسم کی نذر نیاز شرک ہے۔اس کا کھانا خنزیر کی طرح حرام ہے۔اس فتویٰ سے سارے مسلمان بلکہ خود دیو بندوں کے اکابر مشرک ہوگئے بلکہ خود مصنف صاحب کی بھی خیر نہیں وہ بھی اس کی زد سے نہیں بچے چنانچہ یہاں گجرات سے ایک صاحب نے تحریری استفتاء مولوی غلام اللہ خاں صاحب کی خدمت میں بذریعہ جوابی ڈاک بھیجا جس میں سوال کیا کہ آپ نے اپنی کتاب ''جواہر القرآن'' کے صفحات مذکورہ پر لکھا ہے کہ پیروں کے پکارنے والے کا نکاح کوئی نہیں اور نذر نیاز کا کھانا خنزیر کی طرح حرام ہے آپ کے محترم دوست اور دیو بندیوں کے مقتداء عالم عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی کے والد مولوی جلال شاہ صاحب ساکن دولتا نگر ضلع گجرات ،اور سنا گیا ہے کہ آپ کے والدین بھی گیارہویں کھاتے تھے اور کھلاتے تھے ''ختم غوثیہ'' پڑھتے تھے جس میں یہ شعر موجود ہے ؎

امداد کن امداد کن از بحر غم آزاد کن　　　　در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادر

جلال شاہ کے عینی گواہ ایک نہیں دو نہیں بہت زیادہ موجود ہیں فرمایا جاوے کہ ان کا نکاح ٹوٹا تھا یا نہیں اور اگر نکاح ٹوٹ گیا تھا تو آپ...... کے کیسے ہوئے

کیونکہ آپ اس ٹوٹے ہوئے نکاح کی اولاد ہیں نیز گیارہویں کا کھانا جب خنزیر کی طرح حرام ہوا تو جو کوئی اسے حلال جانے وہ مرتد ہوا اور مرتد کا نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے تو آپ دونوں بزرگوں کے والد صاحبان اسے حلال جان کر کھاتے کھلاتے تھے۔ اب آپ کے...... ہونے کی کیا صورت ہے بصورت دیگر آپ دونوں بزرگوں کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب ابھی تک نہیں ملا اور امید بھی نہیں کہ ملے کیونکہ عربی کا مقولہ ہے: مَنْ حَفَرَ لِاَخِیْهِ وَقَعَ فِیْهِ جو دوسرے کے گرنے کو گڑھا کھودتا ہے خود اس میں گرتا ہے دوسرے مسلمانوں کے نکاح تو بعد میں ٹوٹیں گے پہلے اپنے والدین کے نکاح کی خبر لیں۔ کوئی صاحب ان بزرگوں سے اس معمہ کو حل کرا دیں اور اس کا جواب دلوا دیں ہم مشکور ہوں گے۔

غرض کہ بے دھڑک ترجمے بڑی خرابیوں کی جڑ ہیں اس سے قادیانی، نیچری، چکڑالوی، غیر مقلد، وہابی، دیوبندی، مودودی، بابی، بہائی وغیرہ فرقے بنے۔ ان سب فرقوں کی جڑ خود ساختہ ترجمے ہیں اس بدتر حالت کو دیکھتے ہوئے میرے محترم دوست حضرت سید الحاج محمد معصوم شاہ صاحب قبلہ قادری جیلانی نے بارہا فرمائش کی کہ کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جو موجودہ ترجمۂ قرآن پڑھنے والوں کے لئے رہبر کا کام دے جس میں ایسے قواعد و اصطلاحات اور مسائل بیان کر دیئے جائیں جن کے مطالعہ سے ترجمہ پڑھنے والا دھوکا نہ کھائے چونکہ یہ کام بڑا تھا اور میں کثرت مشاغل کی وجہ سے بالکل فارغ نہ تھا اس لیے اس کام میں دیر لگتی رہی۔ اتفاقاً اس ماہ رمضان المبارک میں میرے محترم دوست قبلہ قاری الحاج احمد حسن صاحب خطیب عید گاہ گجرات میرے پاس ''جواہر القرآن'' لائے اور فرمایا کہ آپ لوگ آرام کر رہے ہیں اور ملحدین اس طرح مسلمانوں کو ترجمے دکھا کر گمراہ کر رہے ہیں، تب میرے دل میں خیال پیدا ہوا

کہ میں نے بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ٹکڑے کھائے ہیں، انہی کے نام پر پلا ہوں ان کے دروازے کا ادنیٰ چوکیدار ہوں اگر چوکیدار چور کو آتے دیکھ کر غفلت سے کام لے تو مجرم ہے اس وقت میرا خاموش رہنا واقعی جرم ہے، اللہ تعالیٰ کے کرم اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت پر بھروسا کر کے اس طرف توجہ کی۔ اس کتاب کے تین باب ہوں گے۔ پہلے باب میں قرآن کریم کی اصطلاحات بیان ہوں گی جس میں بتایا جاوے گا کہ قرآن کریم میں کون کون سا لفظ کس کس جگہ کس کس معنی میں آیا ہے۔ دوسرے باب میں قواعد قرآنیہ بیان ہوں گے جس میں ترجمۂ قرآن کرنے کے قاعدے عرض کیے جاویں گے جس سے ترجمہ میں غلطی نہ ہو۔ تیسرے باب میں کل مسائل قرآنیہ۔ اس باب میں وہ مسائل بھی بیان ہوں گے جو آج کل مختلف فیہ ہیں جن مسائل کی وجہ سے دیوبندی، وہابی، عام مسلمین کو مشرک وکافر کہتے ہیں انہیں صریح آیات سے ثابت کیا جاویگا تا کہ پتا لگے کہ یہ مسائل قرآن میں صراحۃً موجود ہیں اور مخالفین غلط ترجمہ سے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اس کتاب کا نام "علم القرآن لترجمۃ الفرقان" رکھتا ہوں۔ اپنے رب کریم سے امید قبولیت ہے جو کوئی اس کتاب سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ گنہگار کے لئے دعا کرے کہ رب تعالیٰ اسے میرے گناہوں کا کفارہ اور توشۂ آخرت بنائے۔

وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

احمد یار خاں نعیمی اشرفی

سرپرست: مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات (پاکستان)

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ، دوشنبہ مبارک

مقدمہ

ترجمۂ قرآن سے پہلے اس قاعدے کو یاد رکھنا ضروری ہے۔

آیات قرآنیہ تین طرح کی ہیں بعض وہ جن کا مطلب عقل وفہم سے وراہے جس تک دماغوں کی رسائی نہیں انہیں ''متشابہات'' کہتے ہیں۔ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کے معنی ہی سمجھ میں نہیں آتے جیسے الٓـمّٓ، حٰـمٓ، الٓرٰ، وغیرہ انہیں ''مقطعات'' کہا جاتا ہے۔بعض وہ آیات ہیں جن کے معنی تو سمجھ میں آتے ہیں مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا مطلب کیا ہے کیونکہ ظاہری معنی بنتے نہیں جیسے

فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ ط (پ۱،البقرۃ:۱۱۵) تم جدھر منہ کرو ادھر اللہ کا وجہ (منہ) ہے۔

یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡھِمۡ ج (پ۲۶،الفتح:۱۰) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ قف (پ۸،الاعراف:۵۴) پھر رب نے عرش پر استوا فرمایا۔

''وجہ'' کے معنی چہرہ۔''ید'' کے معنی ہاتھ۔''استوا'' کے معنی برابر ہونا ہے مگر یہ چیزیں رب کی شان کے لائق نہیں؛ لہٰذا متشابہات میں سے ہیں اس قسم کی آیتوں پر ایمان لانا ضروری ہے مطلب بیان کرنا درست نہیں اور دوسری قسم کی آیات کو ''آیات صفات'' کہتے ہیں۔

بعض آیات وہ ہیں جو اس درجہ کی مخفی نہیں۔انہیں قرآنی اصطلاح میں ''محکمات'' کہتے ہیں۔قرآن کریم فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ج وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ (پ۳،آل عمرٰن:۷)

رب وہ ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری اس کی کچھ آیات صفات معنی آرائی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے اور اس کے معنی ڈھونڈنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے۔

ان محکمات میں بعض آیات وہ ہیں جن کے معنی بالکل صاف وصریح ہیں۔ جن کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ الخ۔ فرمادو وہ اللہ ایک ہے۔ انہیں نصوص قطعیہ کہا جاتا ہے۔ اور بعض آیات وہ ہیں جن میں نہ تو متشابہات کی سی پوشیدگی ہے کہ ذہن کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکے نہ نصوص قطعیہ کی طرح ظہور ہے کہ تامل کرنا ہی نہ پڑے۔ اس قسم کی آیتوں میں تفسیر کی ضرورت ہے بغیر تفسیر کے صرف ترجمہ کبھی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔

اس تفسیر کی چار صورتیں ہیں۔ ''تفسیر قرآن بالقرآن'' کیونکہ خود قرآن بھی اپنی تفسیر کرتا ہے۔ پھر ''تفسیر قرآن بالحدیث'' کیونکہ قرآن کو جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھا دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ پھر ''تفسیر قرآن بالاجماع'' یعنی علماء کا جس مطلب پر اتفاق ہوا وہی درست ہے۔ پھر ''تفسیر قرآن باقوال مجتہدین'' ان تمام تفسیروں میں پہلی قسم کی تفسیر بہت مقدم ہے کیونکہ جب خود کلام فرمانے والا رب تعالیٰ ہی اپنے کلام کی تفسیر فرمادے تو اور طرف جانا ہرگز درست نہیں۔ اگر پچاس آیتوں میں

ایک مضمون کچھ اجمال کے ساتھ بیان ہوا ہو اور ایک آیت میں اس کی تفصیل کر دی گئی ہو تو یہ آیت ان پچاس آیتوں کی تفسیر ہوگی اور ان پچاس کا وہی مطلب ہوگا جو اس آیت نے بیان کیا۔ مثال سمجھو رب تعالٰی نے بہت جگہ اہل کتاب کو مخاطب فرمایا ہے یا ان کا ذکر کیا ہے۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ (پ۳، آل عمرٰن: ٦٤)

فرمادو کہ اے کتاب والو آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں۔

اہل کتاب کا ذکر بہت جگہ ہے مگر پتا یہ نہ لگتا تھا کہ کتاب سے کونسی کتاب مراد ہے اور اہل کتاب کون لوگ ہیں کیونکہ قرآن کو بھی کتاب کہا گیا ہے اور باقی تمام انسانی اور رحمانی کتابوں کو بھی کتاب کہتے ہیں۔ ہم نے قرآن سے اس کی تفسیر پوچھی تو خود قرآن نے فرمایا:

اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (پ٤، ال عمرٰن: ١٨٦)

وہ لوگ جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے

اس آیت نے ان تمام آیتوں کی تفسیر فرمادی اور بتادیا کہ اہل کتاب نہ ہندو، سکھ ہیں کہ ان کے پاس آسمانی کتاب ہی نہیں۔ نہ مسلمان مراد ہیں کیونکہ اس کتاب سے پہلی آسمانی کتابیں مراد ہیں صرف عیسائی، یہودی یعنی انجیل و توریت کے ماننے والے مراد ہیں اسی طرح قرآن شریف نے جگہ جگہ صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ج وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ

یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کی پیروی کرو دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو۔

(پ۸،الانعام:۱۵۳)

مگر ان آیات میں نہ بتایا کہ سیدھا راستہ کونسا ہے ہم نے قرآن سے پوچھا تو اس نے اس کی تفسیر کی ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ٥ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ

ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔

(پ ۱،الفاتحة:۵۔۶)

اس آیت نے بتایا کہ قرآن میں جہاں کہیں سیدھا راستہ بولا گیا ہے اس سے وہ دین اور وہ مذہب مراد ہے جو اولیاء اللہ، علماء دین، صالحین کا مذہب ہو یعنی مذہب اہل سنت، نئے دین و مذہب ٹیڑھے راستہ ہیں اگر چہ اس مذہب کے بانی سارا قرآن ہی پڑھ کر ثابت کریں کہ یہ مذہب سچا ہے جیسے قادیانی، دیوبندی، شیعہ وغیرہ، اسی طرح قرآن شریف نے جگہ جگہ غیر اللہ کو پکارنے سے منع فرمایا اور پکارنے والے پر کفر و شرک کا فتوی دے دیا۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ ج فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ٥ (پ ۱۱،یونس:۱۰۶) اور خدا کے سوا کسی ایسے کو نہ پکارو جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ نقصان پھر اگر تم نے ایسا کیا تو تم ظالموں میں سے ہو گے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (پ۲۶،الاحقاف:۵) اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو غیر خدا کو پکارتے ہیں۔

وَضَلَّ عَنۡھُمۡ مَّا کَانُوۡا یَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ (پ۲۵،حٰمٓ السجدة:۴۸) اورغائب ہوگئے ان سے وہ جنہیں پہلے یہ پکارتے تھے۔

وَالَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ مَا یَمۡلِکُوۡنَ مِنۡ قِطۡمِیۡرٍ ؕ (پ۲۲،فاطر:۱۳) تم خدا کے سوا جسے پکارتے ہو وہ چھلکے کے بھی مالک نہیں۔

اس قسم کی بیسیوں آیات ہیں جن میں غیر خدا کو پکارنے سے منع فرمایا گیا بلکہ پکارنے والوں کو مشرک کہا گیا اگر ان آیتوں کو مطلق رکھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ حاضر، غائب، زندہ، مردہ، کسی کو نہ پکارو لیکن یہ معنی خود قرآن کی دوسری آیات کے بھی خلاف ہیں اور عقل کے بھی۔ خود قرآن کریم نے فرمایا: اُدۡعُوۡھُمۡ لِاٰبَآئِھِمۡ (پ۲۱،الاحزاب:۵) انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارا کرو۔

وَالرَّسُوۡلُ یَدۡعُوۡکُمۡ فِیۡۤ اُخۡرٰکُمۡ (پ۴،ال عمران:۱۵۳) اور رسول تم کو پچھلی جماعت میں پکارتے تھے۔ ثُمَّ ادۡعُھُنَّ یَاۡتِیۡنَکَ سَعۡیًا ؕ (پ۳،البقرة:۲۶۰) اے ابراہیم پھر ان ذبح کئے ہوئے مردہ جانوروں کو پکارو وہ تم تک دوڑتے آئیں گے۔

اس قسم کی بیسیوں آیتیں ہیں جن میں زندوں اور مردوں کے پکارنے کا ذکر ہے۔ نیز ہم دن رات ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔ نماز میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو پکار کر سلام عرض کرتے ہیں۔ ''اَلسَّلَامُ عَلَیۡکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحۡمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ'' اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔

لہٰذا ضرورت پڑی کہ ہم قرآن شریف سے ہی پوچھیں کہ ممانعت کی آیتوں میں پکارنے سے کیا مراد ہے تو قرآن شریف نے اس کی تفسیر یوں فرمائی۔

وَمَنۡ یَّدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرۡھَانَ لَہٗ بِہٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُہٗ عِنۡدَ

رَبِّہٖ ط (پ۱۸،المؤمنون:۱۱۷) اور جو کوئی اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہوگا۔

فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًاO(پ۲۹،الجن:۱۸) اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔

ان آیتوں نے بتایا کہ جن آیتوں میں غیر خدا کو پکارنے سے روکا گیا ہے وہاں اسے خدا سمجھ کر پکارنا یا اللہ کے ساتھ ملا کر پکارنا مراد ہے یعنی پوجنا۔لہٰذا ان آیتوں کی تفسیر سے تمام ممانعت کی آیتوں کا یہ مطلب ہوگا۔اس تفسیر سے مطلب ایسا صاف ہوگیا کہ کسی قسم کا کوئی اعتراض پڑ سکتا ہی نہیں۔نیز فرماتا ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَO وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَO (پ۲۶،الاحقاف:۵۔۶)

اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو خدا کے سوا انہیں پکارے جو اس کی قیامت تک نہ سنے اور انہیں اسی کی پکار (پوجا) کی خبر تک نہیں اور جب لوگوں کا حشر ہوگا تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کے منکر ہوجائیں گے۔

اس آیت میں صاف طور پر پکارنے کو عبادت فرمایا کہ قیامت میں یہ بت ان مشرکوں کی عبادت یعنی اس پکار کے منکر ہوجائیں گے معلوم ہوا کہ پکارنے سے وہی پکارنا مراد ہے جو عبادت ہے،یعنی ''اِلٰہ'' سمجھ کر پکارنا۔اس لئے عام مفسرین ممانعت کی آیات میں ''دعا'' کے معنی ''پوجا'' کرتے ہیں۔جن وہابیوں نے ممانعت کی آیتوں میں دعا کے معنی پکار کئے اور پھر بات بنانے کے لئے اپنے گھر سے قیدیں لگائیں کہ پکارنے سے مراد ہے دور سے پکارنا،مافوق الاسباب پکار سننے کے عقیدے

سے پکارنا یا مردوں کو پکارنا بالکل غلط ہے۔اولاً تو اس لئے کہ یہ قیدیں قرآن نے کہیں نہیں لگائیں۔ دوسرے اس لئے کہ یہ تفسیر خود قرآنی تفسیر کے خلاف ہے۔تیسرے اس لئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام صحابہ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مردہ کو بھی پکارا ہے اور دور سے سینکڑوں میل سے پکارا ہے اور وہ پکار سنی گئی ہے جیسا کہ باب مسائل قرآنیہ میں بیان ہوگا۔لہٰذا یہ تفسیر باطل ہے۔

تفسیر قرآن بالقرآن کی اور مثال سمجھو کہ رب تعالیٰ نے جگہ جگہ خدا کے سوا کو ولی ماننے سے منع فرمایا بلکہ فرمایا کہ جو کوئی غیر خدا کو ولی بنائے وہ گمراہ ہے، کافر ہے، مشرک ہے۔فرماتا ہے:

مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ؏ (پ ۲۰،العنکبوت:۲۲)

تمہارا خدا کے سوا نہ کوئی ولی ہے اور نہ مددگار۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ج اِتَّخَذَتْ بَیْتًا ط وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْكَبُوْتِ (پ ۲۰،العنکبوت:۴۱)

ان کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا اور ولی بنائے مکڑی کی سی ہے جس نے جالا بنا اور بے شک سب گھروں سے کمزور گھر مکڑی کا ہے۔

پھر فرماتا ہے:

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَ ط اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا ؏ (پ ۱۶،الکھف:۱۰۲)

تو کیا سمجھ رکھا ہے ان کافروں نے جنہوں نے میرے بندوں کو میرے سوا ولی بنایا ہم نے کافروں کیلئے آگ تیار کی ہوئی ہے۔

اس قسم کی بے شمار آیتیں ہیں ولی کے معنی دوست بھی ہیں اور مددگار بھی، مالک بھی وغیرہ۔ اگر ان آیات میں ولی کے معنی مددگار کئے جائیں اور کہا جائے کہ جو خدا کے سوا کسی کو مددگار سمجھے وہ مشرک اور کافر ہے تو نقل و عقل دونوں کے خلاف ہے نقل کے تو اس لئے کہ خود قرآن میں اللہ کے بندوں کے مددگار ہونے کا ذکر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا ج وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا ۝ (پ ۵، النسآء: ۷۵)

خداوندا ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی ولی اور مددگار مقرر فرما دے۔

فرماتا ہے:

فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ج وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ ۝ (پ ۲۸، التحریم: ٤)

پس اپنے نبی کا مددگار اللہ اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں۔

فرماتا ہے:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ ۝ (پ ٦، المائدۃ: ۵۵)

تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ مومن بندے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرتے ہیں۔

فرماتا ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (پ ۱۰، التوبۃ: ۷۱)

مومن مرد اور مومن عورتیں ان کے بعض بعض کے ولی ہیں۔

اس قسم کی بہت آیات ملیں گی۔

عقل کے خلاف اس لئے ہے کہ دنیا ودین کا قیام ایک دوسرے کی مدد پر ہی ہے، اگر امداد باہمی بند ہو جائے تو نہ دنیا آباد رہے نہ دین۔ پھر ایسی ضروری چیز کو رب شرک کیسے فرما سکتا ہے۔ آؤ اب اس ممانعت کی تفسیر قرآن کریم سے پوچھیں، جب قرآن کریم کی تحقیق کی تو پتا لگا کہ کسی کو ولی ماننا چار طرح کا ہے جن میں سے تین قسم کا ولی ماننا تو کفر و شرک ہے اور چوتھی قسم کا ولی ماننا عین ایمان ہے۔

﴿۱﴾ رب تعالیٰ کو کمزور جان کر کسی اور کو مددگار ماننا یعنی رب ہماری مدد نہیں کر سکتا ہے لہٰذا فلاں مددگار رہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا۟ (پ۱۵، بنیٓ اسراءیل:۱۱۱)

اور نہیں ہے اللہ کا کوئی ولی کمزوری کی بنا پر اور اس کی بڑائی بولو۔

﴿۲﴾ خدا کے مقابل کسی کو مددگار جاننا یعنی رب تعالیٰ عذاب دینا چاہے اور ولی بچالے۔ فرماتا ہے:

اُولٰٓئِکَ لَمْ یَکُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَمَا کَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِیَآءَ (پ۱۲، هود:۲۰)

یہ کفار خدا کو عاجز نہیں کر سکتے زمین میں اور نہ کوئی خدا کے مقابل ان کا ولی مددگار ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ فِیْ عَذَابٍ مُّقِیْمٍ۟ (پ۲۵، الشوریٰ:۴۵)

خبردار! کفار ہمیشہ کے عذاب میں ہیں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط (پ۲۵،الشوریٰ:۴۶)

اور ان کا کوئی ولی نہ ہوگا جو اللہ کے مقابل ان کی مدد کرے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُکُمْ مِّنَ اللّٰہِ اِنْ اَرَادَ بِکُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِکُمْ رَحْمَةً ط وَلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ۝ (پ۲۱،الاحزاب:۱۷)

فرمادو! کہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچائے اگر وہ تمہارا برا چاہے یا تم پر مہر فرمانا چاہے اور وہ اللہ کے مقابل کوئی ولی نہ پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا ۝ (پ۵،النسآء:۵۲)

اور جس پر خدا لعنت کردے اس کا مددگار کوئی نہیں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِیٍّ مِّنْ ۢ بَعْدِهٖ ط (پ۲۵،الشوریٰ:۴۴)

جسے اللہ گمراہ کردے اس کے بعد اس کا کوئی ولی نہیں۔

ان آیات میں خدا کے مقابل ولی، مددگار کا انکار کیا گیا ہے ان کے علاوہ اور بہت سی ایسی ہی آیات ہیں جن میں ولی کے یہ معنی ہیں۔

﴿۳﴾ کسی کو مددگار سمجھ کر پوجنا یعنی ولی بمعنی معبود۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖۤ اَوْلِیَآءَ م مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰیط (پ ۲۳، الزمر:۳)

اور جنہوں نے رب کے سوا اور ولی بنائے کہتے ہیں ہم تو انہیں نہیں پوجتے مگر اس لئے کہ ہمیں وہ اللہ سے قریب کر دیں۔

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ (پ ۱۹، الفرقان:۶۸)

اور وہ جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔

اس آیت میں ولی بمعنی معبود ہے اس لئے اس کے ساتھ عبادت کا ذکر ہے۔ یہ تین طرح کا ولی ماننا کفر و شرک ہے اور ایسا ولی ماننے والا مشرک و مرتد ہے چوتھی قسم کا ولی وہ کہ کسی کو اللہ کا بندہ سمجھ کر اللہ کے حکم سے اسے مددگار مانا جائے اور اس کی مدد کو رب تعالیٰ کی مدد کا مظہر سمجھا جاوے یہ بالکل حق ہے جس کی آیات ابھی ابھی گزر چکیں۔

ان آیات نے تفسیر کر دی کہ ممانعت کی آیات میں پہلی تین قسم کے ولی مراد ہیں اور ثبوت اولیاء کی آیات میں چوتھی قسم کے ولی مراد ہیں۔ سبحان اللہ! اس قرآنی تفسیر سے کوئی اعتراض باقی نہ رہا لیکن وہابی جب اس تفسیر سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں تو اب ولی میں قید لگاتے ہیں کہ مافوق الاسباب کسی کو مددگار ماننا شرک ہے یہ تفسیر نہایت غلط ہے اولا تو اس لئے کہ مافوق الاسباب کی قید ان کے گھر سے لگی ہے۔ قرآن میں نہیں ہے دوسرے اس لیے کہ یہ تفسیر قرآن کے خلاف ہے جو ہم نے عرض کی تیسرے یہ کہ اللہ کے بندے مافوق الاسباب مدد کرتے ہیں۔ جس کی آیات باب مسائل قرآنیہ میں عرض ہوں گی غرضیکہ یہ تفسیر باطل ہے اور قرآنی تفسیر بالکل صحیح ہے یہ تفسیر قرآن بالقرآن کی چند مثالیں عرض کیں۔

تفسیر قرآن بالحدیث کی بہت سی مثالیں ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارۡكَعُوۡا مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ○ نماز قائم کرو زکوۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

(پ ۱،البقرۃ:۴۳)

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ (پ ۲،البقرۃ:۱۸۳) اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے تم سے پہلے والوں پر فرض کئے گئے تھے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا ؕ لوگوں پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج ہے جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو

(پ ۴،ال عمرٰن:۹۷)

اس کے علاوہ تمام احکام کی آیتیں تفصیل اور تفسیر چاہتی ہیں مگر قرآن کریم نے ان کی نہ مکمل تفسیر فرمائی نہ تفصیل۔ نماز کے اوقات، رکعات کی تعداد، زکوۃ کے نصاب اور خود زکوۃ کی تعداد اور شرائط، روزے کے فرائض وممنوعات، حج کے شرائط وارکان تفصیلاً نہ بتائے، ان آیات میں ہم حدیث کے محتاج ہوئے اور تمام تفاصیل وہاں سے معلوم کیں غرضیکہ تفصیل طلب آیات میں بغیر تفسیر کے ترجمہ بے فائدہ بلکہ خطرناک ہے اور تفسیر محض اپنی رائے سے نہیں ہوسکتی ہم اپنی اس کتاب میں ترجمہ کرنے کے قواعد، بعض ضروری قرآنی مسائل اور قرآن کریم کی کچھ ضروری اصطلاحیں بیان کریں گے مگر ہر چیز کی تفسیر خود قرآن شریف سے پیش کریں گے اگر تائید میں کوئی

حدیث بھی پیش کی جاوے تو اسے بھی قرآن کی روشنی میں دیکھا جائے گا کیونکہ آج کل اس طرز استدلال کو مسلمان بہت پسند کرتے ہیں اوراس سے زیادہ مانوس ہیں ضرورت زمانہ کالحاظ رکھتے ہوئے اس پرقلم اٹھایا گیا ہے۔

پہلا باب

اصطلاحات قرآنیہ

قرآن شریف میں بعض الفاظ کسی خاص معنی میں استعمال فرمائے گئے ہیں کہ اگراس کے علاوہ ان کے دوسرے معنی کیے جائیں تو قرآن کا مقصد بدل جاتا ہے یا فوت ہوجاتا ہے ان اصطلاحوں کو بہت یادرکھنا چاہئے تاکہ ترجمہ میں دھوکا نہ ہو۔

ایمان

ایمان امن سے بنا ہے جس کے لغوی معنی امن دینا ہے اصطلاح شریعت میں ایمان عقائد کا نام ہے جن کے اختیار کرنے سے انسان دائمی عذاب سے بچ جاوے جیسے توحید، رسالت، حشر ونشر، فرشتے، جنت، دوزخ اور تقدیر کو ماننا وغیرہ وغیرہ جس کا کچھ ذکر اس آیت میں ہے۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف (پ۳،البقرۃ:۲۸۵)

سب مومن اللہ اوراس کے فرشتوں اوراس کی کتابوں اوراس کے رسولوں پر ایمان لائے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے رسولوں میں فرق نہیں کرتے

لیکن اصطلاح قرآن میں ایمان کی اصل جس پر تمام عقیدوں کا دارومدار ہے یہ ہے کہ بندہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دل سے اپنا حاکم مطلق مانے۔ اپنے کو ان کا غلام تسلیم کرے کہ مومن کے جان، مال، اولاد سب حضور کی ملک ہیں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سب مخلوق سے زیادہ ادب واحترام کرے۔ اگر اس کو مان لیا تو توحید اور کتب، فرشتے وغیرہ تمام ایمانیات کو مان لیا اور اگر اس کو نہ مانا تو اگرچہ توحید، فرشتے، حشر نشر، جنت ودوزخ سب کو مانے مگر قرآن کے فتوے سے وہ مومن نہیں بلکہ کافر ومشرک ہے۔ ابلیس پکا موحد، نمازی، ساجد تھا۔ فرشتے، قیامت، جنت ودوزخ سب کو مانتا تھا مگر رب تعالیٰ نے فرمایا: وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ o(البقرۃ:٣٤) شیطان کافروں میں سے ہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ نبی کی عظمت کا قائل نہ تھا۔ غرض ایمان کا مدار قرآن کے نزدیک عظمت مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ہے۔ ان آیات میں یہی اصطلاح استعمال ہوئی۔

﴿١﴾ فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِہِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (پ٥، النساء:٦٥)

اے محبوب! تمہارے رب کی قسم! یہ سارے توحید والے اور دیگر لوگ اس وقت تک مومن نہ ہونگے جب تک کہ تم کو اپنا حاکم نہ مانیں اپنے سارے اختلاف وجھگڑوں میں پھر تمہارے فیصلے سے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور رضا وتسلیم اختیار کریں۔

پتا چلا کہ صرف توحید کا ماننا ایمان نہیں اور تمام چیزوں کا ماننا ایمان نہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حاکم ماننا ایمان ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۲﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ؔ (پ ۱، البقرۃ:۸)

لوگوں میں بعض وہ (منافق) بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت پر ایمان لائے مگر وہ مومن نہیں۔

دیکھوا کثر منافق یہودی تھے جو خدا کی ذات وصفات اور قیامت وغیرہ کو مانتے تھے مگر انہیں رب نے کافر فرمایا کیونکہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں مانتے تھے اس لیے انہوں نے اللہ کا اور قیامت کا نام تو لیا مگر حضور مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام نہ لیا رب نے انہیں مومن نہیں مانا۔ فرماتا ہے:

﴿۳﴾ اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ م وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ ط وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ؔ (پ ۲۸، المنفقون:۱)

جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔

پتا چلا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فقط زبانی طور پر معمولی طریقہ سے مان لینے کا دعویٰ کر دینا مومن ہونے کیلئے کافی نہیں، انہیں دل سے ماننے کا نام ایمان ہے۔ سبحان اللہ! قول سچا مگر قائل جھوٹا کیونکہ یہاں دل کی گہرائیوں سے دیکھا جاتا ہے۔

ما دروں را بنگریم و حال را   ما بروں را ننگریم و قال را

﴿٤﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط (پ ۲۲، الاحزاب:۳۶)

اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو حق ہے کہ جب اللہ اور رسول کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے۔

اس آیت نے بتایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے سامنے مومن کو اپنی جان کے معاملات کا بھی اختیار نہیں، یہ آیت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نکاح کرنے کو تیار نہ تھیں۔ (التفسیر الکبیر، الجزء الخامس والعشرون، سورۃ الاحزاب، تحت الآیۃ ۳۶، ج۹، ص۱۶۹، دار احیاء التراث العربی بیروت) مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے نکاح ہوگیا۔ ہر مومن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غلام اور ہر مومنہ ان سرکار کی لونڈی ہے۔ یہ ہے حقیقت ایمان۔

﴿۵﴾ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ (پ۲۱، الاحزاب:۶)

نبی مومنوں کے ان کی جان سے بھی زیادہ مالک ہیں اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہماری جان سے بھی زیادہ ہمارے مالک ہوئے تو ہماری اولاد و مال کے بدرجہ اولیٰ مالک ہیں۔

﴿۶﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ (پ۲۶، الحجرات:۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں ان نبی کی آواز پر اونچی نہ کرو نہ ان کی بارگاہ میں ایسے چیخ کر بولو جیسے بعض بعض کیلئے خطرہ ہے کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

پتا چلا کہ ان کی تھوڑی سی بے ادبی کرنے سے نیکیاں برباد ہوجاتی ہیں اور اعمال کی بربادی کفر وارتداد سے ہوتی ہے معلوم ہوا کہ ان کی ادنیٰ گستاخی کفر ہے۔

﴿۷﴾ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُ وْنَ o لَاتَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ط

فرمادو کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔

(پ ۱۰، التوبۃ ۶۵-۶۶)

جن منافقین کا اس آیت میں ذکر ہے انہوں نے ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کا مذاق اڑایا تھا کہ بھلا حضور کب روم پر غالب آسکتے ہیں اس گستاخی کو رب کی آیتوں کی گستاخی قرار دے کر ان کے کفر کا فتوی صادر فرمایا کس نے؟ کسی مولوی نے؟ نہیں! بلکہ خود اللہ جل شانہ نے۔

﴿۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ o

اے ایمان والو! میرے پیغمبر سے راعنا نہ کہا کرو انظرنا کہا کرو خوب سن لو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

(پ ۱، البقرۃ: ۱۰۴)

اس سے پتا لگا کہ جو کوئی توہین کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ایسا لفظ بولے جس میں گستاخی کا شائبہ بھی نکلتا ہو وہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ (جیسے راعنا)

خلاصہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو قرآن میں ہر جگہ یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر پکارا، موحد یا نمازی یا مولوی یا فاضل دیوبند کہہ کر نہ پکارا تاکہ پتا لگے کہ رب تعالیٰ کی تمام نعمتیں ایمان سے ملتی ہیں اور ایمان کی حقیقت وہ ہے جو ان آیتوں میں بیان ہوئی یعنی غلامی سرکار مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ توحید نوٹ کا کاغذ ہے اور

نبوت اس کی مہر جیسے نوٹ کی قیمت سرکاری مہر سے ہے اس کے بغیر وہ قیمتی نہیں اسی طرح ایمان کے نوٹ کی قیمت بازار قیامت میں جب ہی ہوگی جب اس پر حضور کے نام کی مہر لگی ہو۔ان سے منہ موڑ کر توحید کی کوئی قیمت نہیں اسی لئے کلمہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام ہے اور قبر میں توحید کا اقرار کرانے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پہچان ہے۔خیال رہے کہ حدیث وقرآن میں بھی مسلمانوں کو موحد نہ کہا گیا بلکہ مومن ہی سے خطاب فرمایا۔

اسلام

اسلام سلم سے بنا جن کے معنی ہیں صلح، جنگ کا مقابل۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا — اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس طرف جھک جاؤ۔ (پ ۱۰،الانفال:۶۱)

لہٰذا اسلام کے معنی ہوئے صلح کرنا۔مگر عرف میں اسلام کے معنی اطاعت وفرمانبرداری ہے،قرآن شریف میں یہ لفظ کبھی تو ایمان کے معنی میں آتا ہے اور کبھی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کے لئے،ان آیات میں اسلام بمعنی ایمان ہے۔

﴿۱﴾ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ قف — پسندیدہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے (پ۳،اٰل عمرٰن:۱۹)

﴿۲﴾ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ — اس رب نے تمہارا نام مسلم رکھا (پ۱۷،الحج:۷۸)

﴿۳﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًاط — ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی لیکن وہ حنیف ایمان والے تھے۔ (پ۳،اٰل عمرٰن:۶۷)

﴿۴﴾ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (پ ۲۶، الحجرات: ۱۷)

فرمادو کہ تم مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتاؤ بلکہ اللہ تم پر احسان فرماتا ہے کہ تمہیں ایمان کی ہدایت دی اگر تم سچے ہو۔

﴿۵﴾ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِيْنَ ○ (پ ۱۳، یوسف: ۱۰۱)

مجھے مومن اٹھا اور صالحوں سے ملا۔

﴿۶﴾ وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ○ (پ ۲۹، الجن: ۱۴)

اور ہم میں سے کچھ مسلمان ہیں اور کچھ ظالم جو اسلام لائے انہوں نے بھلائی تلاش کرلی۔

ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات میں اسلام ایمان کے معنی میں ہے۔ لہٰذا جیسے ایمان کا دارومدار امت کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سچی غلامی پر ہے ایسے ہی اسلام کا مدار بھی اس سرکار کی غلامی پر ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کا منکر نہ مومن ہے نہ مسلمان جیسے شیطان نہ مومن ہے نہ مسلم بلکہ کافر و مشرک ہے۔

بعض آیات میں اسلام بمعنی اطاعت آیا ہے جیسے

﴿۱﴾ لَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پ ۳، اٰل عمرٰن: ۸۳)

اس اللہ کے فرمانبردار ہیں تمام آسمانوں اور زمینوں کے لوگ۔

كُلٌّ لَّهٗ قَانِتُوْنَ (پ ۲۱، الروم: ۲۶) ہر ایک اس کا مطیع ہے یعنی تکوینی احکام میں۔

یہاں "قانتین" نے "اسلم" کی تفسیر کردی کیونکہ ساری چیزیں رب تعالیٰ کی تکوینی امور میں مطیع تو ہیں مگر سب مومن نہیں بعض کافر بھی ہیں۔ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ

وَّمِنۡكُمۡ مُّؤۡمِنٌ ط (پ۲۸،التغابن:۲)

﴿۲﴾ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط (پ۲٦،الحجرات:۱٤)

اے منافقو! یہ نہ کہو کہ تم ایمان لے آئے بلکہ یوں کہو کہ ہم نے اطاعت قبول کرلی اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

منافق مسلم بمعنی مطیع تو تھے مومن نہ تھے۔

﴿۳﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ o وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ o (پ۲۳،الصّٰفّٰت:۱۰۳،۱۰٤)

توجب دونوں ابراہیم واسماعیل نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹادیا (ذبح کیلئے) اور ہم نے ندا کی اے ابراہیم

﴿٤﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ لا قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o (پ۱،البقرة:۱۳۱)

جب فرمایا ابراہیم سے ان کے رب نے مطیع ہوجاؤ عرض کیا کہ میں اللہ رب العالمین کا فرمانبردار ہوا۔

ان دونوں آخری آیات میں اسلام کے معنی ایمان نہیں بن سکتے کیونکہ انبیاء پیدائشی مومن ہوتے ہیں ان کے ایمان لانے کے کیا معنی؟

ان آیات میں اسلام بمعنی اطاعت ہے۔ پہلی آیت میں تکوینی امور کی اطاعت مراد ہے جیسے بیماری، تندرستی، موت، زندگی وغیرہ۔ آخری دوسری دو آیات میں تشریعی احکام کی اطاعت مراد ہے لہٰذا منافق مومن نہ تھے مسلم تھے یعنی مجبوراً اسلامی قوانین کے مطیع ہوگئے تھے۔

تقویٰ

قرآن کریم میں یہ لفظ بہت استعمال ہوا ہے بلکہ ایمان کے ساتھ تقویٰ کا اکثر حکم آتا ہے۔تقویٰ کے معنی ڈرنا بھی ہیں اور بچنا بھی اگر اس کا تعلق اللہ تعالیٰ یا قیامت کے دن سے ہو تو اس سے ڈرنا مراد ہوتا ہے کیونکہ رب سے اور قیامت سے کوئی نہیں بچ سکتا جیسے

﴿۱﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ — اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو!

(پ۳،البقرة:۲۷۸)

﴿۲﴾ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْــٴًـا (پ۱،البقرة:۴۸) — اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس کسی نفس کی طرف سے نہ بدلا دے گا۔

اور اگر تقویٰ کے ساتھ آگ یا گناہ کا ذکر ہو تو وہاں تقویٰ سے بچنا مراد ہوگا جیسے

﴿۳﴾ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ج (پ۱،البقرة:۲۴) — اور اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔

اگر تقویٰ کے بعد کسی چیز کا ذکر نہ ہو نہ رب تعالیٰ کا نہ دوزخ کا تو وہاں دونوں معنی یعنی ڈرنا اور بچنا درست ہیں جیسے

﴿۴﴾ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (پ۱،البقرة:۲-۳) — ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کے لئے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔

﴿۵﴾ فَاصْبِرْ ط اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ (پ۱۲،هود:۴۹) — پس صبر کرو بیشک انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

قرآن کی اصطلاح میں تقوی کی دو قسمیں ہیں تقویٰ بدن اور تقویٰ دل تقویٰ بدن کا مدار اطاعت خدا اور رسول پر ہے۔فرماتا ہے:

﴿۱﴾ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَاهُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ○ (پ۸،الاعراف:۳۵)	تو جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی ان پر نہ خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے۔
﴿۲﴾ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ○ (پ۱۱،یونس:۶۳)	ولی اللہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے تھے۔
﴿۳﴾ اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ فُرۡقَانًا (پ۹،الانفال:۲۹)	اگر اللہ کی اطاعت کرو گے تو تمہارے لئے فرق بتا دے گا۔

دلی تقوی کا دارو مدار اس پر ہے کہ اللہ کے پیاروں بلکہ جس چیز کو ان سے نسبت ہو جاوے اس کی تعظیم و ادب دل سے کرے۔تبرکات کا بے ادب دلی پرہیزگار نہیں ہو سکتا۔فرماتا ہے:

﴿۱﴾ وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ○ (پ۱۷،الحج:۳۲)	جو کوئی اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دل کی پرہیزگاری سے ہے۔
﴿۲﴾ وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَیۡرٌ لَّهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ط (پ۱۷،الحج:۳۰)	اور جو کوئی اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو اس کیلئے اس کے رب کے ہاں بہتری ہے۔

یہ بھی قرآن کریم ہی سے پوچھو کہ شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیاں کیا چیز ہیں۔فرماتا ہے:

﴿۳﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِہِمَا ؕ (پ ۲، البقرۃ: ۱۵۸)

صفا اور مروہ پہاڑ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ اس پر گناہ نہیں کہ ان پہاڑوں کا طواف کرے۔

صفا اور مروہ وہ پہاڑ ہیں جن پر حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں سات بار چڑھیں اور اتریں۔ اس اللہ والی کے قدم پڑ جانے کی برکت سے یہ دونوں پہاڑ شعائر اللہ بن گئے اور تا قیامت حاجیوں پر اس پاک بی بی کی نقل اتارنے میں ان پر چڑھنا اور اترنا سات بار لازم ہو گیا۔ بزرگوں کے قدم لگ جانے سے وہ چیز شعائر اللہ بن جاتی ہے۔ فرماتا ہے:

﴿۴﴾ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰہٖمَ مُصَلًّی ؕ (پ ۱، البقرۃ: ۱۲۵)

تم لوگ مقام ابراہیم کو جاءِ نماز بناؤ۔

مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ کی تعمیر کی وہ بھی حضرت خلیل علیہ السلام کی برکت سے شعائر اللہ بن گیا اور اس کی تعظیم ایسی لازم ہو گئی کہ طواف کے نفل اس کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھنا سنت ہو گئے کہ سجدہ میں سر اس پتھر کے سامنے جھکے۔

جب بزرگوں کے قدم پڑ جانے سے صفا مروہ اور مقام ابراہیم شعائر اللہ بن گئے اور قابل تعظیم ہو گئے تو قبور انبیاء و اولیاء جس میں یہ حضرات دائمی قیام فرما ہیں یقیناً شعائر اللہ ہیں اور ان کی تعظیم لازم ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۵﴾ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ط رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ط قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا o (پ ۱۵، الکہف: ۲۱)

پس لوگ بولے کہ ان اصحاب کہف پر کوئی عمارت بناؤ ان کا رب انہیں خوب جانتا ہے اور وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے کہ ہم تو ضرور ان پر مسجد بنائیں گے۔

اصحاب کہف کے غار پر جوان کا آرام گاہ ہے گذشتہ مسلمانوں نے مسجد بنائی اور رب نے ان کے کام پر ناراضگی کا اظہار نہ کیا پتا لگا کہ وہ جگہ شعائر اللہ بن گئی جس کی تعظیم ضروری ہوگئی۔

﴿۶﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ (پ ۱۷، الحج: ۳۶)

اور قربانی کے جانور (ہدی) ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں میں سے بنائے تمہارے لئے ان میں خیر ہے۔

جو جانور قربانی کے لئے یا کعبہ معظّمہ کیلئے نامزد ہوجائے وہ شعائر اللہ ہے اس کا احترام چاہیے جیسے قرآن کا جزدان اور کعبہ کا غلاف اور زمزم کا پانی اور مکہ شریف کی زمین۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کو رب یا رب کے پیاروں سے نسبت ہے ان سب کی تعظیم ضروری ہے۔ فرماتا ہے:

﴿۷﴾ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ o وَاَنْتَ حِلٌّ م بِهٰذَا الْبَلَدِ o (پ ۳۰، البلد: ۱۔۲)

میں اس شہر مکہ معظّمہ کی قسم فرماتا ہوں حالانکہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔

﴿۸﴾ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ o وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ o وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ o (پ ۳۰، التین: ۱۔۳)

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینا پہاڑ کی اور اس امانت والے شہر مکہ شریف کی۔

﴿۹﴾ وَادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّقُوۡلُوۡا حِطَّةٌ نَّغۡفِرۡ لَكُمۡ خَطٰيٰكُمۡ (پ ۱، البقرۃ:۵۸)

اور بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے گھسو اور کہو معافی دے، ہم بخش دیں گے۔

طور سینا پہاڑ اور مکہ معظّمہ اس لئے عظمت والے بن گئے کہ طور کو کلیم اللہ سے اور مکہ معظّمہ کو حبیب اللہ علیہما السلام سے نسبت ہوگئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے پیاروں کی چیزیں شعائر اللہ ہیں جیسے قرآن شریف، خانہ کعبہ، صفا مروہ پہاڑ، مکہ معظّمہ، بیت المقدس، طور سینا، مقابر اولیاء اللہ وانبیاء کرام، آب زمزم وغیرہ اور شعائر اللہ کی تعظیم و توقیر قرآنی فتوے سے دلی تقویٰ ہے جو کوئی نمازی روزہ دار تو ہو مگر اس کے دل میں تبرکات کی تعظیم نہ ہو وہ دلی پرہیز گار نہیں۔

ان آیات قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ جہاں کہیں قرآن کریم میں تقویٰ کا ذکر ہے وہاں یہ تقویٰ دلی یعنی متبرک چیزوں کی تعظیم ضرور مراد ہے۔ یہ آیات کریمہ تقویٰ کی تمام آیات کی تفسیر ہیں۔ جہاں تقویٰ کا ذکر ہو وہاں یہ قید ضروری ہے۔

رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَهُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ لِلتَّقۡوٰى ؕ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۝ (پ ۲۶، الحجرات:۳)

بے شک جو لوگ اپنی آوازیں رسول اللہ کے نزدیک پست کرتے ہیں یہ وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیز گاری کے لئے پرکھ لیا ہے ان کیلئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

معلوم ہوا کہ مجلس میں حضور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا احترام تقویٰ ہے۔ کیونکہ یہ بھی شعائر اللہ ہے اور شعائر اللہ کی حرمت دلی تقویٰ ہے۔ ایمان جڑ ہے اور

تقوی اس کی شاخیں، پھل وہی کھا سکتا ہے جوان دونوں کی حفاظت کرے۔اسی طرح بخشش کے پھل اسی کو نصیب ہوں گے جو ایمان اور تقویٰ دونوں کا حامل ہو۔

کفر

کفر کے معنی چھپانا اور مٹانا ہے اسی لئے جرم کی شرعی سزا کو کفارہ کہتے ہیں کہ وہ گناہ کو مٹا دیتا ہے ایک دوا کا نام کافور ہے کہ وہ اپنی تیز خوشبو سے دوسری خوشبوؤں کو چھپا لیتا ہے۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبٰٓئِرَ مَاتُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَنُدۡخِلۡکُمۡ مُّدۡخَلًا کَرِیۡمًاo (پ ۵،النسآء: ۳۱)

اگر تم بڑے گناہوں سے بچو گے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ مٹا دیں گے اور تم کو اچھی جگہ میں داخل کریں گے

قرآن شریف میں یہ لفظ چند معنوں میں استعمال ہوا ہے ناشکری، انکار، اسلام سے نکل جانا۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ وَلَئِنۡ کَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌo (پ ۱۳،ابرٰھیم: ۷)

اگر تم شکر کرو گے تو تم کو اور زیادہ دیں گے اور اگر تم ناشکری کرو گے تو ہمارا عذاب سخت ہے

﴿۲﴾ وَاشۡکُرُوۡا لِیۡ وَلَاتَکۡفُرُوۡنِo (پ ۲،البقرۃ: ۱۵۲)

میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو

﴿۳﴾ وَفَعَلۡتَ فَعۡلَتَکَ الَّتِیۡ فَعَلۡتَ وَاَنۡتَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَo (پ ۱۹،الشعرآء: ۱۹)

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم نے اپنا وہ کام کیا جو کیا اور تم ناشکرے تھے

ان آیات میں کفر بمعنی ناشکری ہے۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَیُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَکَ بِالۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی (پ۳،البقرۃ:۲۵۶)
پس جوکوئی شیطان کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے مضبوط گرہ پکڑ لی۔

﴿۲﴾ یَکۡفُرُ بَعۡضُکُمۡ بِبَعۡضٍ وَّیَلۡعَنُ بَعۡضُکُمۡ بَعۡضًا (پ۲۰،عنکبوت:۲۵)
اس دن تمہارے بعض بعض کا انکار کریں گے اور بعض بعض پر لعنت کریں گے۔

﴿۳﴾ وَکَانُوۡا بِعِبَادَتِہِمۡ کٰفِرِیۡنَ ○ (پ۲۶،الاحقاف:۶)
یہ معبودان باطلہ ان کی عبادت کے انکاری ہوجاویں گے۔

ان تمام آیات میں کفر بمعنی انکار ہے نہ کہ اسلام سے پھر جانا۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ ○ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ○ (پ۳۰الکفرون:۱۔۲)
فرمادو کافرو میں تمہارے معبودوں کو نہیں پوجتا۔

﴿۲﴾ فَبُہِتَ الَّذِیۡ کَفَرَ ؕ (پ۳،البقرۃ:۲۵۸)
پس وہ کافر (نمرود) حیران رہ گیا۔

﴿۳﴾ وَالۡکٰفِرُوۡنَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ○ (پ۳،البقرۃ:۲۵۴)
اور کافرلوگ ظالم ہیں۔

﴿۴﴾ لَقَدۡ کَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ (پ۶،المآئدۃ:۱۷)
وہ لوگ کافر ہوگئے جنہوں نے کہا، اللہ عیسی ابن مریم ہیں۔

﴿۵﴾ لَاتَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ط (پ ۱۰، التوبة:٦٦) — بہانے نہ بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے

﴿٦﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ط (پ۳، البقرة:۲۵۳) — ان میں سے بعض ایمان لے آئے بعض کافر رہے۔

ان جیسی اور بہت سی آیات میں کفر ایمان کا مقابل ہے جس کے معنی ہیں بے ایمان ہو جانا، اسلام سے نکل جانا۔ اس کفر میں ایمان کے مقابل تمام چیزیں معتبر ہوں گی یعنی جن چیزوں کا ماننا ایمان تھا ان میں سے کسی کا بھی انکار کرنا کفر ہے۔ لہٰذا کفر کی صدہا قسمیں ہوں گی۔ خدا کا انکار کفر، اس کی توحید کا انکار یعنی شرک یہ بھی کفر، اسی طرح فرشتے، دوزخ و جنت، حشر نشر، نماز، روزہ، قرآن کی آیتیں، غرضیکہ ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں مختلف قسم کے کافروں کی تردید فرمائی گئی ہے جیسا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ شرک کی بحث میں آوے گا۔

حقیقتِ کفر

جیسے کہ صدہا چیزوں کے ماننے کا نام ایمان تھا لیکن ان سب کا مدار صرف ایک چیز پر تھا یعنی پیغمبر کو ماننا کہ جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کما حقہ مان لیا۔ اس نے سب کچھ مان لیا۔ اسی طرح کفر کا مدار صرف ایک چیز پر ہے یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا انکار، ان کی عظمت کا انکار، ان کی شان اعلیٰ کا انکار، اصل کفر تو یہ ہے باقی تمام اس کی شاخیں ہیں مثلا جو رب کی ذات یا صفات کا انکار کرتا ہے وہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا منکر ہے کہ حضور نے فرمایا: اللہ ایک ہے۔ یہ کہتا ہے کہ دو ہیں۔ اسی طرح نماز، روزہ وغیرہ کسی ایک کا انکار درحقیقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا

انکار ہے کہ وہ سرکار فرماتے ہیں کہ یہ چیزیں فرض ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ نہیں۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ادنیٰ توہین، ان کی کسی شے کی توہین، قرآنی فتوے سے کفر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ لا وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا o اُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا ج (پ ٦، النسآء: ١٥٠ ـ ١٥١)

اور وہ کفار کہتے ہیں کہ ہم پیغمبروں پر ایمان لائینگے اور بعض کا انکار کریں گے اور چاہتے ہیں کہ ایمان وکفر کے بیچ میں کوئی راہ نکالیں یہی لوگ یقیناً کافر ہیں

﴿۲﴾ وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ o (پ ١، البقرۃ: ١٠٤)

کافروں ہی کے لئے دردناک عذاب ہے۔

﴿۳﴾ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ o (پ ١٠، التوبۃ: ٦١)

اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان ہی کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یعنی صرف کافر کو دردناک عذاب ہے اور صرف اسے دردناک عذاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دے۔ لہٰذا پتا لگا کہ صرف وہ ہی کافر ہے جو رسول کو ایذا دے اور جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت واحترام، خدمت، اطاعت کرے وہ سچا مومن ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ o (پ ١٠، الانفال: ٧٤)

اور جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ سچے مسلمان ہیں ان کیلئے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّہٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاَنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ خَالِدًا فِیْھَاط ذٰلِکَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ○ (پ ۱۰،التوبۃ:۶۳)

کیا انہیں خبر نہیں کہ جو مخالفت کرے اللہ اور اس کے رسول کی تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے ہمیشہ اس میں رہے گا۔ یہ بڑی رسوائی ہے۔

بلکہ جس اچھے کام میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا لحاظ نہ ہو بلکہ ان کی مخالفت ہو وہ کفر بن جاتا ہے اور جس برے کام میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہو وہ ایمان بن جاتا ہے مسجد بنانا اچھا کام ہے لیکن منافقین نے جب مسجد ضرار حضور کی مخالفت کرنے کی نیت سے بنائی تو قرآن نے اسے کفر قرار دیا ہے۔ فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّکُفْرًا وَّتَفْرِیْقًاۢ بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ مِنْ قَبْلُ ط (پ ۱۱،التوبۃ:۱۰۷)

اور وہ لوگ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے اور کفر کیلئے اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور رسول کا مخالف ہے۔

نماز توڑنا گناہ ہے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بلانے پر نماز توڑنا گناہ نہیں ہے بلکہ عبادت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ج (پ ۹،الانفال:۲۴)

اے ایمان والو اللہ رسول کا بلاوا قبول کرو جب وہ تمہیں بلائیں اس لئے کہ وہ تمہیں زندگی بخشتے ہیں۔

اسی لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر اونچی آواز کرنے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ادنیٰ گستاخی کرنے کو قرآن نے کفر قرار دیا جس کی آیات ایمان کی بحث میں گزر چکیں۔ شیطان کے پاس عبادات کافی تھیں مگر جب اس نے آدم علیہ السلام کے متعلق کہا کہ

اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ ؕ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ ۝ قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡہَا فَاِنَّکَ رَجِیۡمٌ ۝ (پ ۲۳، ص: ۷۶۔۷۷)

میں ان سے اچھا ہوں کہ تو نے مجھے آگ سے اور انہیں مٹی سے پیدا کیا رب نے فرمایا یہاں سے نکل جا تو مردود ہو گیا۔

تو فورا کافر ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کا ادب کیا کہ جادو کرنے سے پہلے عرض کیا

قَالُوۡا یٰمُوۡسٰۤی اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنۡ نَّکُوۡنَ نَحۡنُ الۡمُلۡقِیۡنَ ۝

(پ ۹، الاعراف: ۱۱۵)

عرض کیا کہ اے موسیٰ یا پہلے آپ ڈالیں یا ہم ڈالنے والے ہوں۔

اس اجازت لینے کے ادب کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں ایک دن میں ایمان، کلیم اللہ کی صحابیت، تقویٰ، صبر، شہادت نصیب ہوئی۔ رب نے فرمایا:

فَاُلۡقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیۡنَ ۝

(پ ۱۹، الشعرآء: ۴۶)

جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے۔

یعنی خود سجدے میں نہیں گرے بلکہ رب کی طرف سے ڈال دیئے گئے۔ کافر کے دل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب آجائے تو ان شاء اللہ مومن ہو جائے گا۔ اگر مومن کو بے ادبی کی بیماری ہو جائے تو اس کے ایمان چھوٹ جانے کا خطرہ ہے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائی قصور مند تھے مگر بے ادب نہ تھے آخر بخش دیئے گئے۔ قابیل یعنی آدم علیہ السلام کا بیٹا جرم کے ساتھ نبی کا گستاخ بھی تھا لہٰذا خاتمہ خراب ہوا۔

شرک

شرک کے لغوی معنی ہیں حصہ یا ساجھا۔ لہٰذا شریک کے معنی ہیں حصہ دار یا ساجھی۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ج (پ ۲۲،فاطر: ۴۰) — کیا ان بتوں کا ان آسمانوں میں حصہ ہے۔

﴿۲﴾ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ط (پ ۲۱،الروم: ۲۸) — کیا تمہارے مملوک غلاموں میں سے کوئی شریک ہے اس میں جو ہم نے تمہیں دیا ہے کہ تم اس میں برابر ہو ان غلاموں سے تم ایسا ڈرو جیسا اپنے نفسوں سے ڈرتے ہو

﴿۳﴾ رَجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ط هَلْ يَسْتَوِيٰنِ (پ ۲۳،زمر: ۲۹) — ایک وہ غلام جس میں برابر کے چند شریک ہوں اور ایک وہ غلام جو ایک ہی آدمی کا ہو۔ کیا یہ دونوں برابر ہیں

ان آیتوں میں شرک اور شریک لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی حصہ، ساجھا اور حصہ دار و ساجھی۔ لہٰذا شرک کے لغوی معنی ہیں کسی کو خدا کے برابر جاننا۔ قرآن کریم میں یہ لفظ ان دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے۔ شرک بمعنی کفران آیات میں آیا:

﴿۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ج (پ ۵،النسآء:۴۸)

اللہ تعالیٰ اس جرم کو نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اس کے سوا جس کو چاہے بخش دے گا۔

﴿۲﴾ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا ط (پ ۲،البقرۃ:۲۲۱)

نکاح نہ کرو مشرکوں سے یہاں تک کہ ایمان لے آویں۔

﴿۳﴾ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ (پ ۲،البقرۃ:۲۲۱)

مومن غلام مشرک سے اچھا ہے۔

﴿۴﴾ مَاكَانَ لِلْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِیْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ط (پ ۱۰،التوبۃ:۱۷)

مشرکوں کو یہ حق نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں اپنے پر کفر کی گواہی دیتے ہوئے۔

ان آیات میں شرک سے مراد ہر کفر ہے کیونکہ کوئی بھی کفر بخشش کے لائق نہیں اور کسی کافر مرد سے مومنہ عورت کا نکاح جائز نہیں اور ہر مومن ہر کافر سے بہتر ہے خواہ مشرک ہو جیسے ہندو یا کوئی اور جیسے یہودی، پارسی، مجوسی۔

دوسرے معنی کا شرک یعنی کسی کو خدا کے برابر جاننا کفر سے خاص ہے کفر اس سے عام یعنی ہر شرک کفر ہے مگر ہر کفر شرک نہیں۔ جیسے ہر کوا کالا ہے مگر ہر کالا کوا نہیں۔ ہر سونا پیلا ہے مگر ہر پیلا سونا نہیں۔ لہٰذا دہریہ کافر ہے مشرک نہیں اور ہندو مشرک بھی ہے کافر بھی۔ قرآن شریف میں شرک اکثر اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے

﴿۱﴾ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا (پ ۹،الاعراف:۱۹۰)

ان دونوں نے خدا کے برابر کر دیا اس نعمت میں جو رب تعالیٰ نے انہیں دی۔

﴿۲﴾ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ؕ ﴿ (پ۷،الانعام:۷۹) — میں تمام برے دینوں سے بیزار ہوں اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

﴿۳﴾ اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ ﴿ (پ۲۱،لقمٰن:۱۳) — بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔

﴿۴﴾ وَمَا یُؤۡمِنُ اَکۡثَرُہُمۡ بِاللّٰہِ اِلَّا وَہُمۡ مُّشۡرِکُوۡنَ ﴿ (پ۱۳،یوسف:۱۰۶) — ان میں سے بہت سے لوگ اللہ پر ایمان نہیں لائے مگر وہ مشرک ہوتے ہیں۔

ان جیسی صدہا آیتوں میں شرک اس معنی میں استعمال ہوا ہے بمعنی کسی کو خدا کے مساوی جاننا۔

شرک کی حقیقت

شرک کی حقیقت رب تعالیٰ سے مساوات پر ہے یعنی جب تک کسی کو رب کے برابر نہ جانا جائے تب تک شرک نہ ہوگا اسی لئے قیامت میں کفار اپنے بتوں سے کہیں گے۔

تَاللّٰہِ اِنۡ کُنَّا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿ (پ۱۹،الشعرآء:۹۷) — خدا کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے کہ تم کو رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔

اس برابر جاننے کی چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی کو خدا کا ہم جنس مانا جائے جیسے عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہودی عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے چونکہ اولاد باپ کی ملک نہیں ہوتی بلکہ باپ کی ہم جنس اور مساوی ہوتی ہے۔لہٰذا یہ ماننے والا مشرک ہوگا۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا سُبۡحٰنَہٗ ؕ بَلۡ عِبَادٌ مُّکۡرَمُوۡنَ ﴿ (پ۱۷،الانبیاء:۲۶) — یہ لوگ بولے کہ اللہ نے بچے اختیار فرمائے پاکی ہے اس کے لئے بلکہ یہ اللہ کے عزت والے بندے ہیں۔

﴿۲﴾ قَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ (پ ۱۰،التوبة: ۳۰)

یہودی بولے کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی بولے کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔

﴿۳﴾ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ؕ (پ ۲۵،الزخرف: ۱۵)

بنادیا ان لوگوں نے اللہ کے لئے اس کے بندوں میں سے ٹکڑا بے شک آدمی کھلا ناشکرا ہے۔

﴿٤﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ (پ ۲۵،الزخرف: ۱۹)

انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں ٹھہرایا کیا ان کے بناتے وقت یہ حاضر تھے۔

﴿۵﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِیْنَ ؕ (پ ۲۵،الزخرف: ۱٦)

کیا اس نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں بنالیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ خاص کیا۔

﴿٦﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ (پ ۷،الانعام: ۱۰۰)

اور اللہ کا شریک ٹھہرایا جنوں کو حالانکہ اس نے ان کو بنایا اور اس کیلئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں جہالت سے۔

﴿۷﴾ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰی ؕ (پ ۲۷،النجم: ۲۷)

یہ کفار فرشتوں کا نام عورتوں کا سا رکھتے تھے۔

ان جیسی بہت سی آیتوں میں اسی قسم کا شرک مراد ہے یعنی کسی کو رب کی اولاد ماننا دوسرے یہ کہ کسی کو رب تعالیٰ کی طرح خالق مانا جائے جیسے کہ بعض کفار عرب کا عقیدہ تھا کہ خیر کا خالق اللہ ہے اور شر کا خالق دوسرا رب، اب بھی پارسی یہی مانتے ہیں

خالق خیر کو ''یزداں'' اور خالق شر کو ''اہرمن'' کہتے ہیں۔ یہ وہی پرانا مشرکانہ عقیدہ ہے یا بعض کفار کہتے تھے کہ ہم اپنے برے اعمال کے خود خالق ہیں کیونکہ ان کے نزدیک بری چیزوں کا پیدا کرنا برا ہے لہٰذا اس کا خالق کوئی اور چاہیے اس قسم کے مشرکوں کی تردید کے لئے یہ آیات آئیں۔ خیال رہے کہ بعض عیسائی تین خالقوں کے قائل تھے جن میں سے ایک عیسٰی علیہ السلام ہیں ان تمام کی تردید میں حسب ذیل آیات ہیں۔

﴿۱﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ٥ (پ۲۳،الصافات:۹٦)
اللہ نے تم کو اور تمہارے سارے اعمال کو پیدا کیا۔

﴿۲﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ زوَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ٥ (پ۲٤،الزمر:٦۲)
اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز کا مختار ہے۔

﴿۳﴾ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ (پ۲۹،الملك:۲)
اللہ نے موت اور زندگی کو پیدا فرمایا۔

﴿٤﴾ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (پ۱۳،ابرٰهیم:۱۹)
اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔

﴿٤﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ (پ٦،المآئدة:۱۷)
بے شک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے کہا کہ اللہ وہی مسیح مریم کا بیٹا ہے۔

﴿۵﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (پ٦،المآئدة:۷۳)
بے شک کافر ہو گئے وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تین خداؤں میں تیسرا ہے۔

﴿۶﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (پ۱۷،الانبیآء:۲۲)
اگر زمین وآسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو یہ دونوں بگڑ جاتے۔

﴿۷﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ط (پ۲۱،لقمٰن:۱۱)
یہ اللہ کی مخلوق ہے پس مجھے دکھاؤ کہ اس کے سوا اوروں نے کیا پیدا کیا۔

ان جیسی تمام آیتوں میں اسی قسم کے شرک کا ذکر ہے اور اسی کی تردید ہے۔ اگر یہ مشرک غیر خدا کو خالق نہ مانتے ہوتے تو ان سے یہ مطالبہ کرنا کہ ان معبودوں کی مخلوق دکھاؤ درست نہ ہوتا۔

تیسرے یہ کہ خود زمانہ کو مؤثر مانا جائے اور خدا کی ہستی کا انکار کیا جائے جیسا کہ بعض مشرکین عرب کا عقیدہ تھا۔ موجودہ دہریہ انہی کی یادگار ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ج وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ج (پ۲۵،الجاثیۃ:۲۴)
وہ بولے وہ تو نہیں مگر یہی ہماری دنیا کی زندگی مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ اور انہیں اس کا علم نہیں۔

اس قسم کے دہریوں کی تردید کے لئے تمام وہ آیات ہیں جن میں حکم دیا گیا ہے کہ عالم کی عجائبات میں غور کرو کہ ایسی حکمت والی چیزیں بغیر خالق کے نہیں ہوسکتیں۔

﴿۱﴾ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○ (پ۱۳، الرعد:۳)

ڈھکتا ہے رات سے دن کو اس میں نشانیاں ہیں فکر والوں کے لئے۔

﴿۲﴾ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ○ (پ٤، ال عمرٰن:۱۹۰)

بے شک آسمان و زمین کی پیدائش اور دن رات کے گھٹنے بڑھنے میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لئے۔

﴿۳﴾ وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ○ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ (پ۲٦، الذٰریٰت:۲۰، ۲۱)

اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کے لئے اور خود تمہاری ذاتوں میں ہیں تو تم دیکھتے کیوں نہیں۔

﴿٤﴾ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ○ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ○ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ○ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ○ (پ۳۰، الغاشیۃ:۱۷۔۲۰)

کیا یہ نہیں دیکھتے اونٹ کی طرف کہ کیسے پیدا کیا گیا اور آسمان کی طرف کہ کیسا اونچا کیا گیا اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے گاڑا گیا اور زمین کی طرف کہ کیسے بچھائی گئی۔

اس قسم کی بیسیوں آیات میں ان دہریوں کی تردید ہے۔

چوتھے یہ عقیدہ کہ خالق ہر چیز کا تو رب ہی ہے مگر وہ ایک بار پیدا کر کے تھک گیا، اب کسی کام کا نہیں رہا، اب اس کی خدائی کی چلانے والے یہ ہمارے معبودین باطلہ ہیں۔ اس قسم کے مشرکین عجیب بکواس کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ چھ دن میں آسمان زمین پیدا ہوئے اور ساتواں دن اللہ نے آرام کا رکھا تھکن دور کرنے کو

اب بھی وہ آرام ہی کررہا ہے۔ چنانچہ فرقہ تعطیلیہ اسی قسم کے مشرکوں کی یادگار ہے۔
ان کی تردید ان آیات میں ہے:

﴿۱﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ق وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ o (پ ۲۶،قۤ:۳۸)	اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے چھ دن میں بنایا اور ہم کو تھکن نہ آئی
﴿۲﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ط بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ o (پ ۲۶،قۤ:۱۵)	تو کیا ہم پہلی بار بنا کر تھک گئے بلکہ وہ نئے بننے سے شبہ میں ہیں۔
﴿۳﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ط (پ ۲۶،الاحقاف:۳۳)	اور کیا ان لوگوں نے غور نہ کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور انہیں پیدا کر کے نہ تھکا وہ قادر اس پر بھی ہے کہ مردوں کو زندہ کرے۔
﴿۴﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ o (پ ۲۳،یٰسۤ:۸۲)	اس کی شان یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے۔

اس قسم کے مشرکوں کی تردید کیلئے اس جیسی کئی آیات ہیں جن میں فرمایا گیا کہ ہم کو عالم کے بنانے میں کسی قسم کی کوئی تھکاوٹ نہیں پہنچتی۔ اس قسم کے مشرک قیامت کے منکر اس لئے بھی تھے کہ وہ سمجھتے تھے ایک دفعہ دنیا پیدا فرما کر حق تعالیٰ کافی تھک چکا ہے اب دوبارہ کیسے بنا سکتا ہے۔ معاذ اللہ! اس لئے فرمایا گیا کہ ہم تو صرف

"کُنْ" سے ہر چیز پیدا فرماتے ہیں تھکن کیسی؟ ہم دوبارہ پیدا کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہیں کہ اعادہ سے ایجاد مشکل ہے۔

شرک کی پانچویں قسم

یہ عقیدہ ہے کہ ہر ذرہ کا خالق ومالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر وہ اتنے بڑے عالم کو اکیلا سنبھالنے پر قادر نہیں اس لئے اس نے مجبوراً اپنے بندوں میں سے بعض بندے عالم کے انتظام کے لئے چن لئے ہیں جیسے دنیاوی بادشاہ اوران کے محکمے، اب یہ بندے جنہیں عالم کے انتظام میں دخیل بنایا گیا ہے وہ بندے ہونے کے باوجود رب تعالیٰ پر دھونس رکھتے ہیں کہ اگر ہماری شفاعت کریں تو رب کو مرعوب ہوکر ماننی پڑے اگر چاہیں تو ہماری بگڑی بنادیں، ہماری مشکل کشائی کردیں، جو وہ کہیں رب تعالیٰ کو ان کی ماننی پڑے ورنہ اس کا عالم بگڑ جاوے جیسے اسمبلی کے ممبر کہ اگر چہ وہ سب بادشاہ کی رعایا تو ہیں مگر ملکی انتظام میں ان کو ایسا دخل ہے کہ ملک ان سب کی تدبیر سے چل رہا ہے۔ یہ وہ شرک ہے جس میں عرب کے بہت سے مشرکین گرفتار تھے اور اپنے بت وَدّ، یغوث، لات ومنات وعزی وغیرہ کو رب کا بندہ مان کر اور سارے عالم کا رب تعالیٰ کو خالق مان کر مشرک تھے۔ اس عقیدے سے کسی کو پکارنا شرک، اس کی شفاعت ماننا شرک، اسے حاجت روا مشکل کشا ماننا شرک، اس کے سامنے جھکنا شرک، اس کی تعظیم کرنا شرک، غرضیکہ یہ برابری کا عقیدہ رکھ کر اس کے ساتھ جو تعظیم وتوقیر کا معاملہ کیا جاوے وہ شرک ہے۔ ان کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ۝ (پ ۱۳، یوسف: ۱۰۶)

ان مشرکین میں سے بہت سے وہ ہیں کہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر شرک کرتے ہوئے۔

کہ خدا کو خالق، رازق مانتے ہوئے پھر مشرک ہیں، انہی پانچویں قسم کے مشرکین کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿۱﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ج فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ (پ ۲۱ العنکبوت: ۶۱)

اگر آپ ان مشرکوں سے پوچھیں کہ کس نے آسمان و زمین پیدا کیے اور کام میں لگائے سورج اور چاند تو وہ کہیں گے اللہ نے تو فرماؤ کہ کیوں بھولے جاتے ہیں۔

﴿۲﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ (پ ۱۸ المؤمنون: ۸۸۔۸۹)

فرمادو کہ ہر چیز کی بادشاہی کس کے قبضے میں ہے جو پناہ دیتا ہے اور پناہ نہیں دیا جاتا بتاؤ اگر تم جانتے ہو تو کہیں گے اللہ ہی کی ہے کہو پھر کہاں تم پر جادو پڑا جاتا ہے۔

﴿۳﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ (پ ۲۵، الزخرف: ۹)

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کیے تو کہیں گے کہ انہیں غالب جاننے والے اللہ نے پیدا کیا ہے۔

﴿۴﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (پ ۱۸، المؤمنون: ۸۴۔۸۵)

فرماؤ کس کی ہے زمین اور اس کی چیزیں اگر تم جانتے ہو تو کہیں گے اللہ کی فرماؤ کہ تم نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے۔

﴿۵﴾قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ○ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ○

(پ۱۸،المؤمنون:۸۶۔۸۷)

فرماؤ کہ سات آسمان اور بڑے عرش کا رب کون ہے؟ تو کہیں گے اللہ کا ہے فرماؤ کہ تم ڈرتے کیوں نہیں۔

﴿۶﴾ قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ○

(پ۱۱،یونس:۳۱)

فرماؤ تمہیں آسمان وزمین سے رزق کون دیتا ہے یا کان آنکھ کا کون مالک ہے اورکون زندے کو مردے سے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور کاموں کی تدبیر کون کرتا ہے تو کہیں گے اللہ! فرماؤ تو تم ڈرتے کیوں نہیں؟

﴿۷﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ○(پ۲۱،العنکبوت:۶۱)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور کس نے سورج وچاند تابعدار کیا تو کہیں گے اللہ نے تو فرماؤ تم کدھر پھرے جاتے ہو۔

﴿۸﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ

(پ۲۱،العنکبوت:۶۳)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمان سے پانی اتارا پس زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کیا تو کہیں گے اللہ نے۔

ان جیسی بہت سی آیات سے معلوم ہوا کہ یہ پانچویں قسم کے مشرک اللہ تعالیٰ کوسب کا خالق، مالک، زندہ کرنے والا، مارنے والا، پناہ دینے والا, عالم کا مدبر مانتے تھے مگر پھر مشرک تھے یعنی ذات، صفات کا اقرار کرنے کے باوجود مشرک رہے کیوں؟ یہ بھی قرآن سے پوچھئے۔قرآن فرماتا ہے کہ ان عقائد کے باوجود وہ دوسبب سے مشرک تھے ایک یہ کہ وہ صرف خدا کو عالم کا مالک نہیں مانتے تھے بلکہ اللہ کو بھی اور دوسرے اپنے معبودوں کو بھی۔ یہاں " لِلّٰہ "میں لام ملکیت کا ہے یعنی وہ اللہ کی ملکیت مانتے تھے مگر اکیلے کی نہیں بلکہ ساتھ ہی دوسرے معبودوں کی بھی، اسی لیے وہ یہ نہ کہتے تھے کہ ملکیت و قبضہ صرف اللہ کا ہے، اوروں کا نہیں بلکہ وہ کہتے تھے اللہ کا بھی ہے اور دوسروں کا بھی، دوسرے اسلئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ اکیلا یہ کام نہیں کرتا بلکہ ہمارے بتوں کی مدد سے کرتا ہے۔خود مجبور ہے اسی لئے ان دونوں عقیدوں کی تردید کے لئے حسب ذیل آیات ہیں:

﴿۱﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا	اور فرماؤ کہ سب خوبیاں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے لئے اولاد نہ بنائی اور نہ اس کے ملک میں کوئی شریک ہے اور نہ کوئی کمزوری کی وجہ سے اس کا ولی مددگار ہے تو اس کی بڑائی بولو۔
(پ ۱۵،بنیٓ اسرآء یل:۱۱۱)	

اگر یہ مشرکین ملک اور قبضہ میں خدا کے سوا کسی کو شریک نہیں مانتے تھے تو یہ تردید کس کی ہورہی ہے اور کس سے یہ کلام ہورہا ہے۔

فرماتا ہے:

﴿۲﴾ تَاللّٰهِ اِنۡ كُنَّا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍO اِذۡ نُسَوِّیۡكُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَO (پ ۱۹،الشعرآء:۹۷-۹۸)	دوزخ میں مشرکین اپنے بتوں سے کہیں گے اللہ کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے۔کیونکہ ہم تم کورب العالمین کے برابر سمجھتے تھے۔

یہ مشرک مسلمانوں کی طرح اللہ تعالیٰ کو ہر شے کا خالق، مالک بلاشرکت غیر کے مانتے تھے تو برابری کرنے کے کیا معنی ہیں،فرماتا ہے:

﴿۳﴾ اَمۡ لَهُمۡ اٰلِهَةٌ تَمۡنَعُهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِنَا ؕ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَ اَنۡفُسِهِمۡ وَلَا هُمۡ مِّنَّا یُصۡحَبُوۡنَ (پ ۱۷،الانبیآء:۴۳)	کیا ان کے کچھ خدا ہیں جو ان کو ہم سے بچاتے ہیں وہ اپنی جانوں کو نہیں بچاسکتے اور نہ ہماری طرف سے ان کی کوئی یاری ہو۔

اس آیت میں مشرکین کے اسی عقیدے کی تردید کی ہے کہ ہمارے معبود ہمیں خدا سے مقابلہ کر کے بچاسکتے ہیں:

﴿٤﴾ اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلۡ اَوَلَوۡ كَانُوۡا لَا یَمۡلِكُوۡنَ شَیۡـًٔا وَّلَا یَعۡقِلُوۡنَO قُلۡ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیۡعًا (پ ۲٤،الزمر:۴۳،٤٤)	بلکہ انہوں نے اللہ کے مقابل کچھ سفارشی بنا رکھے ہیں فرمادو کہ کیا اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل رکھیں فرمادو ساری شفاعتیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

اس آیت میں مشرکین کے اسی عقیدے کی تردید ہے کہ ہمارے معبود بغیر اذن الٰہی دھونس کی شفاعت کر کے ہمیں اس کے غضب سے بچاسکتے ہیں اسی لئے اس جگہ بتوں کے مالک نہ ہونے اور رب کی ملکیت کا ذکر ہے یعنی ملک میں شریک ہونے کی وجہ سے اس کے ہاں کوئی شفیع نہیں ہے:

﴿۵﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَايَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ

اور پوجتے ہیں وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو جو نہ انہیں نقصان دیں نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے شفیع ہیں اللہ کے نزدیک۔ (پ ۱۱،یونس:۱۸)

اس آیت میں بھی مشرکین کے اسی عقیدے کی تردید ہے کہ ہمارے بت دھونس کی شفاعت کریں گے کیونکہ وہ رب تعالیٰ کے ساتھ اس کی مِلک میں اور عالم کا کام چلانے میں شریک ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین عرب کا شرک ایک ہی طرح کا نہ تھا بلکہ اس کی پانچ صورتیں تھیں:

﴿۱﴾ خالق کا انکار اور زمانہ کو موثر ماننا ﴿۲﴾ چند مستقل خالق ماننا ﴿۳﴾ اللہ کو ایک مان کر اس کی اولاد ماننا ﴿۴﴾ اللہ کو ایک مان کر اسے تھکن کی وجہ سے معطل ماننا ﴿۵﴾ اللہ کو خالق و مالک مان کر اسے دوسرے کا محتاج ماننا، جیسے اسمبلی کے ممبر، شاہان موجودہ کیلئے اور انہیں ملکیت اور خدائی میں دخیل ماننا۔ ان پانچ کے سوا اور چھٹی قسم کا شرک ثابت نہیں۔

ان پانچ قسم کے مشرکین کے لئے پانچ ہی قسم کی تردیدیں قرآن میں آئی ہیں جن پانچوں کا ذکر سورہ اخلاص میں اس طرح ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ میں دہریوں کا رد کہ اللہ عالم کا خالق ہے۔ اَحَدٌ میں ان مشرکوں کا رد جو عالم کے دو خالق مستقل مانتے تھے تاکہ عالم کا کام چلے۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ میں ان مشرکین کا رد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضرت عزیر علیہ السلام کو رب تعالیٰ کا بیٹا یا فرشتوں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے

تھے۔ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ میں ان لوگوں کا رد جو خالق کو تھکا ہوا مان کر مدبر عالم اوروں کو مانتے تھے۔

﴿۱﴾ **اعتراض:** مشرکین عرب بھی اپنے بتوں کو خدا کے ہاں سفارشی اور خدا رسی کا وسیلہ مانتے تھے اور مسلمان بھی نبیوں، ولیوں کو شفیع اور وسیلہ مانتے ہیں تو وہ کیوں مشرک ہو گئے اور یہ کیوں مومن رہے؟ ان دونوں میں کیا فرق ہے؟

جواب: دو طرح فرق ہے کہ مشرکین خدا کے دشمنوں یعنی بتوں وغیرہ کو سفارشی اور وسیلہ سمجھتے تھے جو کہ واقعہ میں ایسے نہ تھے اور مومنین اللہ کے محبوبوں کو شفیع اور وسیلہ سمجھتے ہیں لہٰذا وہ کافر ہوئے اور یہ مومن رہے جیسے گنگا کے پانی اور بت کے پتھر کی تعظیم، ہولی، دیوالی، بنارس، کاشی کی تعظیم شرک ہے مگر آب زمزم، مقام ابراہیم، رمضان، محرم، مکہ معظّمہ، مدینہ طیبہ کی تعظیم ایمان ہے۔ حالانکہ زمزم اور گنگا جل دونوں پانی ہیں۔ مقام ابراہیم اور سنگ اسود۔ اور بت کا پتھر دونوں پتھر ہیں وغیرہ وغیرہ، دوسرے یہ کہ وہ اپنے معبودوں کو خدا کے مقابل دھونس کا شفیع مانتے تھے اور جبری وسیلہ مانتے تھے، مومن انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو محض بندہ محض اعزازی طور پر خدا کے اذن و عطا سے شفیع یا وسیلہ مانتے ہیں۔ اذن اور مقابلہ ایمان و کفر کا معیار ہے۔

﴿۲﴾ **اعتراض:** مشرکین عرب کا شرک صرف اس لئے تھا کہ وہ مخلوق کو فریاد رس، مشکل کشا، شفیع، حاجت روا، دور سے پکار سننے والا، عالم غیب، وسیلہ مانتے تھے وہ اپنے بتوں کو خالق، مالک، رازق، قابض موت وحیات بخشنے والا نہیں مانتے تھے۔ اللہ کا بندہ مان کر یہ پانچ باتیں ان میں ثابت کرتے تھے قرآن کے فتوے سے وہ مشرک

ہوئے۔لہٰذا موجودہ مسلمان جونبیوں علیہم السلام، ولیوں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے لئے یہ مذکورہ بالا چیزیں ثابت کرتے ہیں وہ انہیں کی طرح مشرک ہیں اگر چہ انہیں خدا کا بندہ مان کر ہی کریں چونکہ یہ کام مافوق الاسباب مخلوق کے لئے ثابت کرتے تھے، مشرک ہوئے۔

جواب : یہ محض غلط اور قرآن کریم پر افترا ہے۔جب تک رب تعالیٰ کے ساتھ بندے کو برابر نہ مانا جاوے، شرک نہیں ہوسکتا۔ وہ بتوں کو رب تعالیٰ کے مقابل ان صفتوں سے موصوف کرتے تھے۔مومن رب تعالیٰ کے اذن سے انہیں محض اللہ کا بندہ جان کر مانتا ہے لہٰذا وہ مومن ہے۔ان اللہ کے بندوں کے لئے یہ صفات قرآن کریم سے ثابت ہیں، قرآنی آیات ملاحظہ ہوں۔

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں باذن الٰہی مردوں کو زندہ، اندھوں، کوڑھیوں کو اچھا کرسکتا ہوں، میں باذن الٰہی ہی مٹی کی شکل میں پھونک مار کر پرندہ بنا سکتا ہوں جو کچھ تم گھر میں کھاؤ یا بچاؤ بتا سکتا ہوں ۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میری قمیص میرے والد کی آنکھوں پر لگادو۔انہیں آرام ہوگا، جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ میں تمہیں بیٹا دوں گا۔ان تمام میں مافوق الاسباب مشکل کشائی حاجت روائی علم غیب سب کچھ آ گیا۔حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک نے بے جان بچھڑے میں جان ڈال دی، یہ مافوق الاسباب زندگی دینا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء دم میں لاٹھی اور دم میں زندہ سانپ بن جاتا تھا آپ کے ہاتھ کی برکت سے، حضرت آصف آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس یمن سے شام میں

لے آئے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل کے فاصلے سے چیونٹی کی آواز سن لی، حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان بیٹھے ہوئے یوسف علیہ السلام کو سات قفلوں سے بند مقفل کوٹھڑی میں برے ارادے سے بچایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے روحوں کو حج کیلئے پکارا اور تا قیامت آنے والی روحوں نے سن لیا یہ تمام معجزات قرآن کریم سے ثابت ہیں جن کی آیات ان شاء اللہ باب احکام قرآنی میں پیش کی جائیں گی۔ یہ تو سب شرک ہوگئیں بلکہ معجزات اور کرامات تو کہتے ہی انہیں ہیں جو اسباب سے ورا ہو۔ اگر مافوق الاسباب تصرف ماننا شرک ہوجاوے تو ہر معجزہ وکرامت ماننا شرک ہوگا۔ ایسا شرک ہم کو مبارک رہے جو قرآن کریم سے ثابت ہو اور سارے انبیاء واولیاء کا عقیدہ ہو۔

فرق وہی ہے کہ باذن اللہ یہ چیزیں بندوں کو ثابت ہیں اور رب کے مقابل ماننا شرک ہے انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام رحمہم اللہ کے معجزات اور کرامات تو ہیں ہی۔ ایک ملک الموت اور ان کے عملہ کے فرشتے سارے عالم کو بیک وقت دیکھتے ہیں اور ہر جگہ بیک وقت تصرف کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ (پ ۲۱، السجدۃ: ۱۱)
فرمادو کہ تم سب کو موت کا فرشتہ موت دیگا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔

﴿۲﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ (پ ۸، الاعراف: ۳۷)
یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے قاصد آئینگے انہیں موت دینے

ابلیس ملعون کو یہ قوت دی گئی ہے کہ وہ گمراہ کرنے کیلئے تمام کو بیک وقت دیکھتا ہے وہ بھی اور اس کی ذریت بھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۳﴾ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (پ۸،الاعراف:۲۷)
وہ شیطان اور اس کا قبیلہ تم سب کو وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔

جو فرشتے قبر میں سوال و جواب کرتے ہیں، جو فرشتہ ماں کے پیٹ میں بچہ بناتا ہے، وہ سب جہان پر نظر رکھتے ہیں کیونکہ بغیر اس قوت کے وہ اتنا بڑا انتظام کر سکتے ہی نہیں اور تمام کام مافوق الاسباب ہیں۔ جواہر القرآن کے اس فتوے سے اسلامی عقائد شرک ہوگئے۔ فرق وہ ہی ہے جو عرض کیا گیا کہ رب کے مقابل یہ قوت ماننا شرک ہے اور رب کے خدام اور بندوں میں باذن الٰہی رب کی عطا سے یہ طاقتیں ماننا عین ایمان ہے۔

بدعت

بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز اصطلاح شریعت میں بدعت کہتے ہیں دین میں نیا کام جو ثواب کیلئے ایجاد کیا جائے اگر یہ کام خلاف دین ہو تو حرام ہے اور اگر اس کے خلاف نہ ہو تو درست یہ دونوں معنی قرآن شریف میں استعمال ہوئے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿۱﴾ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (پ۱،البقرۃ:۱۱۷)
وہ اللہ آسمانوں اور زمین کا ایجاد فرمانے والا ہے۔

﴿۲﴾ قُلْ مَاكُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (پ۲۶،الاحقاف:۹)
فرمادو کہ میں انوکھا رسول نہیں ہوں۔

ان دونوں آیتوں میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی انوکھا نیا رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِیَّةَ ﰳابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا ۚ فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

(پ ۲۷،الحدید:۲۷)

اور عیسٰی علیہ السلام کے پیروؤں کے دل میں ہم نے نرمی اور رحمت رکھی اور ترک دنیا یہ بات جو انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی۔ ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نہ نباہا جیسا اس کے نباہنے کا حق تھا تو ان کے مومنوں کو ہم نے ان کا ثواب عطا کیا اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے رہبانیت اور تارک الدنیا ہونا اپنی طرف سے ایجاد کیا۔ رب تعالیٰ نے ان کو اس کا حکم نہ دیا۔ بدعت حسنہ کے طور پر انہوں نے یہ عبادت ایجاد کی اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بدعت کا ثواب دیا مگر جو اسے نباہ نہ سکے یا جو ایمان سے پھر گئے وہ عذاب کے مستحق ہوگئے معلوم ہوا کہ دین میں نئی بدعتیں ایجاد کرنا جو دین کے خلاف نہ ہوں ثواب کا باعث ہیں مگر انہیں ہمیشہ کرنا چاہیے جیسے چھ کلمے، نماز میں زبان سے نیت، قرآن کے رکوع وغیرہ، علم حدیث، محفل میلاد شریف، اور ختم بزرگان، کہ یہ دینی چیزیں اگرچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے بعد ایجاد ہوئیں مگر چونکہ دین کے خلاف نہیں اور ان سے دینی فائدہ ہے لہٰذا باعث ثواب ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ جو اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے اسے بہت ثواب ہوگا۔

الٰہ

قرآن شریف کی اصطلاحوں میں سے ایک اصطلاح لفظ الٰہ بھی ہے اس کی پہچان مسلمان کے لئے بہت ہی ضروری ہے کیونکہ کلمہ میں اسی کا ذکر ہے: لا الٰــہ الا اللہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں نماز شروع کرتے ہی پڑھتے ہیں: لاالٰہ غیرك یااللہ! تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں غرضیکہ ایمان اور نماز بلکہ سارے اعمال اسی کی پہچان پر موقوف ہیں اگر ہمیں الٰہ کی خبر نہ ہوتو دوسروں سے نفی کس چیز کی کریں گے اور رب تعالٰی کیلئے ثبوت کس چیز کا کرینگے غرضیکہ اس کی معرفت بہت اہم ہے۔

الٰہ کے متعلق ہم تین چیزیں عرض کرتے ہیں:

﴿۱﴾ الٰہ کے معنی وہابیوں نے کیا سمجھے اور اس میں کیا غلطی کی ﴿۲﴾ الٰہ ہونے کی پہچان شریعت اور قرآن میں کیا ہے یعنی کیسے پہچانیں کہ الٰہ حق کون ہے اور الٰہ باطل کون ﴿۳﴾ الوہیت کا مدار کس چیز پر ہے یعنی وہ کونسی صفات ہیں جن کے مان لینے سے اسے الٰہ ماننا پڑتا ہے۔ ان تینوں باتوں کو بہت غور سے سوچنا چاہیے۔

﴿۱﴾ وہابیوں نے الٰہ کا مدار دو چیزوں پر سمجھا ہے علم غیب اور مافوق الاسباب حاجات میں تصرف یعنی جس کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ وہ غیب کی بات جان لیتا ہے یا وہ بغیر ظاہری اسباب کے عالم میں تصرف یعنی عملدرآمد کرتا ہے حاجتیں پوری اور مشکلیں حل کرتا ہے وہی الٰہ ہے، دیکھو جواہر القرآن صفحہ ۱۱۲ (قانون لفظ الٰہ) مصنفہ مولوی غلام اللہ خاں صاحب۔

اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ عام مسلمان انبیاء علیہم السلام، اولیاء رحمہم اللہ کو عالم

غیب بھی مانتے ہیں اور مافوق الاسباب متصرف بھی لہذا یہ لوگ کلمہ کے ہی منکر ہیں اور مشرک ہیں۔

لیکن یہ معنی بالکل غلط قرآن کے خلاف، خود وہابیہ کے عقیدوں کے خلاف، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور عام مسلمین کے عقائد کے خلاف ہیں، اس لئے کہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ فرشتے باذن پروردگار عالم میں تصرف کرتے ہیں کوئی زندوں کو مردہ کرتا ہے (ملک الموت) کوئی ماں کے پیٹ میں بچہ بناتا ہے کوئی بارش برساتا ہے کوئی حساب قبر لیتا ہے اور یہ سارے کام مافوق اسباب ہیں۔ تو وہابیہ کے نزدیک یہ سارے الٰہ ہوگئے اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام مافوق اسباب حاجتیں پوری کرتے ہیں مشکلیں حل کرتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام اندھوں، کوڑھوں کو اچھا اور مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ یوسف علیہ السلام اپنی قمیص سے باذن پروردگار نابینا آنکھ کو بینا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ، یہ سب الٰہ ٹھہرے اور ان کا ماننے والا لاالٰہ الا اللّٰہ کا منکر ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھر میں کھائی بچائی چیزوں کی خبریں دیتے تھے۔ آصف برخیا تخت بلقیس آن کی آن میں شام میں لے آتے ہیں یہ بھی الٰہ ہوئے۔ غرضیکہ اس تعریف سے کوئی قرآن ماننے والا مسلمان نہیں ہوسکتا۔ شاید جواہر القرآن والے نے یہ تعریف سوتے میں لکھی ہے یا نشہ میں۔

مذکورہ بالا امور کی آیات ان شاء اللہ تیسرے باب میں پیش ہوں گی۔

﴿۲﴾ الٰہ برحق کی بڑی پہچان صرف یہ ہے کہ جس کو نبی کی زبان الٰہ کہے، وہ الٰہ برحق ہے اور جس کی الوہیت کا پیغمبر انکار کریں وہ الٰہ باطل ہے۔ تمام کافروں نے سورج، چاند، ستاروں، پتھروں کو الٰہ کہا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا انکار کیا سارے

جھوٹے اور نبی سچے، رب تعالیٰ کی الوہیت کا سارے فرعونیوں نے انکار کیا کلیم اللہ صلوۃ اللہ علیہ وسلامہ نے اقرار کیا۔ سارے فرعونی جھوٹے اور موسیٰ علیہ السلام سچے اللہ کی پہچان اس سے اعلیٰ ناممکن ہے نبی اللہ کی دلیل مطلق اور برہان ناطق ہیں آیات ملاحظہ ہوں۔

﴿۱﴾ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ۝ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ۝ (پ ۱۹، الشعرآء: ۴۶۔۴۸)

پس جادوگر سجدے میں ڈال دیئے گئے وہ بولے کہ ہم ایمان لائے جہانوں کے رب پر، جو رب ہے حضرت موسیٰ وہارون کا۔

رب العالمین کی پہچان یہ بتائی کہ جو حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کا رب ہے ورنہ فرعون کہہ سکتا تھا کہ رب العالمین تو میں ہوں یہ مجھ پر ایمان لا رہے ہیں فرعون نے ڈوبتے وقت کہا تھا: اٰمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ میں حضرت موسیٰ وہارون کے رب پر ایمان لایا۔ اس نے بھی رب تعالیٰ کی معرفت بذریعہ ان دو پیغمبروں کے کی اگرچہ اس کا ایمان اس لئے قبول نہ ہوا کہ عذاب دیکھ کر ایمان لایا۔ جب ایمان کا وقت گزر چکا تھا۔

﴿۲﴾ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَکَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (پ ۱ البقرۃ: ۱۳۳)

جب فرمایا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہ میرے بعد کسے پوجوگے؟ تو وہ بولے کہ آپ کے اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحاق علیہم السلام کے رب کی عبادت کریں گے۔

ان بزرگوں نے بھی سچے اللہ کی پہچان یہی عرض کی کہ جو پیغمبروں کا بتایا ہوا اللہ ہے وہی سچا ہے جیسے دھوپ آفتاب کی بڑی دلیل ہے ایسے ہی انبیاء کرام علیہم السلام

نورالٰہی کی تجلی اولی ہیں ان کا فرمان رب تعالیٰ کی قوی برہان ہے اگر کوئی نبی کا فرمان چھوڑ کر اپنی عقل ودانش سے خدا کو پہچانے نہ وہ مومن ہے نہ موحد۔

لفظ اِلٰہ کی تحقیق

اِلٰہ اِلـٰہٌ سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں انتہائی بلندی یا حیرانی۔ الٰہ وہ جو انتہائی بلند وبرتر ہو یا جس کی ذات یا صفات میں مخلوق کی عقل حیران رہ جائے قرآن کی اصطلاح میں الٰہ بمعنی مستحق عبادت ہے یعنی معبود جہاں کہیں اِلٰہ آوے اس کے معنی معبود ہونگے لا اِلٰہ نہیں ہے کوئی مستحق عبادت اِلَّا اللّٰہ خدا کے سوا۔ مستحق عبادت وہ جس میں یہ صفات ہوں پیدا کرنا، رزق، زندگی، موت کا مالک ہونا۔ خود مخلوق کی صفات سے پاک ہونا جیسے کھانا، پینا، مرنا، سونا، مخلوق ہونا، کسی عیب کا حامل ہونا وغیرہ دانا غیب مطلق ہونا۔ عالم کا مالک حقیقی ہونا وغیرہ۔ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ اَمِ اتَّخَذُوْۤا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ۝ (پ۱۷، الانبیآء: ۲۱)
کیا انہوں نے زمین میں سے معبود بنالیے وہ کچھ پیدا کرتے ہیں۔

یعنی چونکہ ان بتوں میں پیدا کرنے کی قابلیت نہیں وہ تو خود مخلوق ہیں لہٰذا وہ خدا نہیں۔

﴿۲﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ (پ۳، البقرۃ: ۲۵۵)
اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آپ زندہ ہے اوروں کو قائم رکھنے والا ہے اسے نہ اونگھ آوے نہ نیند اس کی ہی وہ چیزیں ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔

﴿۳﴾ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ (پ۱۸، المؤمنون: ۹۱)
اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق لے جاتا۔

﴿٤﴾وَاتَّخَذُوْامِنْ دُوْنِہٖۤ اٰلِھَۃً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِھِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوۃً وَّلَا نُشُوْرًاO (پ۱۸،الفرقان:۳)

انہوں نے خدا کے سوااور خدا ٹھہرا لئے جو کچھ نہیں پیدا کرتے اورخود پیدا کئے جاتے ہیں اور نہیں مالک ہیں اپنی جانوں کیلئے نقصان ونفع کے اور نہیں مالک ہیں مرنے جینے کے اور نہ اٹھنے کے۔

ان جیسی بہت سی آیات سے یہ ہی پتا لگتا ہے کہ الٰہ حقیقی ہونے کا مدار مذکورہ بالا صفات پر ہے۔مشرکین کے بتوں اور اللہ تعالیٰ کے دیگر بندوں میں چونکہ یہ صفات موجود نہیں ہیں اور مخلوق کی صفتیں موجود ہیں جیسے کھانا ، پینا ،مرنا،سونا،صاحب اولاد ہونا۔لہٰذا وہ الٰہ نہیں ہو سکتے۔

وَاُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ ؕ کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ (پ٦،المآئدۃ:۷۵)

اور عیسٰی علیہ السلام کی ماں بہت سچی تھیں یہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔

یعنی مسیح اوران کی والدہ صاحبہ چونکہ کھانا کھاتے لہٰذا الٰہ نہیں۔

مشرکین عرب نے اپنے معبودوں میں چونکہ حسب ذیل باتیں مانیں لہٰذا انہیں الٰہ مان لیا اور مشرک ہوگئے۔

﴿۱﴾ رب تعالیٰ کے مقابل دوسروں کی اطاعت کرنا حق سمجھ کر یعنی ان کا معبود جو کہے وہی حق ہے۔خواہ رب کے خلاف ہی ہو۔

﴿۱﴾اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ ؕ اَفَاَنْتَ تَکُوْنُ عَلَیْہِ وَکِیْلًا (پ۱۹،الفرقان:۴۳)

تو دیکھوتو جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا الٰہ بنالیا تو کیا تم اس کی نگہبانی کے ذمہ دار ہو گئے۔

﴿۲﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ج وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا (پ ۱۰، التوبة: ۳۱)

عیسائیوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنالیا اور مسیح بیٹے مریم کو اور انہیں حکم نہ تھا مگر یہ کہ ایک خدا کو پوجیں۔

ظاہر ہے کہ عیسائیوں نے نہ تو اپنی خواہش کو نہ اپنے پادریوں کو خدا مانا مگر چونکہ رب تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کی اطاعت کی اس لئے انہیں گویا الہ بنالیا۔

﴿۲﴾ کسی کو یہ سمجھنا کہ یہ ہم کو رب تعالیٰ کے مقابلہ میں اس سے بچالے گا یعنی وہ عذاب دینا چاہے تو یہ نہ دینے دیں۔

﴿۱﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ط لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ o (پ ۱۷، الانبیآء: ۴۳)

کیا ان کے کچھ خدا ہیں جو ان کو ہمارے مقابل ہم سے بچالیں وہ تو اپنی جانوں کو نہیں بچاسکتے اور نہ ہماری طرف سے ان کی مدد کی جائے۔

﴿۳﴾ کسی کو دھونس کا شفیع سمجھنا کہ رب تعالیٰ کے مقابل اس کی مرضی کیخلاف ہمیں اس سے چھڑالیگا۔

﴿۱﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ط قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ o قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا (پ ۲۴، الزمر: ۴۳، ۴۴)

کیا انہوں نے اللہ کے مقابل سفارشی بنا رکھے ہیں فرمادو کہ کیا اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل رکھیں فرمادو کہ شفاعت تو سب اللہ کے ہاتھ میں ہے ۔

﴿۲﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط (پ ۳ البقرة: ۲۵۵)

وہ کون ہے جو رب کے پاس اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرسکے۔

﴿4﴾ کسی کو شفیع سمجھ کر پوجنا اسے تعبدی سجدہ کرنا۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ	اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ انہیں نقصان دے نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے نزدیک۔

(پ ۱۱، یونس: ۱۸)

﴿5﴾ کسی کو خدا کی اولاد ماننا، پھر اس کی اطاعت کرنا۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط	اور بنایا ان مشرکین نے جنات کو اللہ کا شریک حالانکہ اس نے انہیں پیدا کیا اور بنایا اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں۔

(پ ۷، الانعام: ۱۰۰)

غرضیکہ الٰہ کا مدار صرف اسی پر ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر ماننا اور برابری کی وہ ہی صورتیں ہیں جو اوپر کی آیات سے معلوم ہوئیں۔ ہم مخلوق کو سمیع، بصیر، زندہ، قادر، مالک، وکیل، حاکم، شاہد اور متصرف مانتے ہیں مگر مشرک نہیں کیونکہ کسی کو ان صفات میں رب تعالیٰ کی طرح نہیں مانتے۔

اعتراض: رب تعالیٰ بتوں اور نبیوں، ولیوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ط سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝	اور ان کے لئے کوئی اختیار نہیں اللہ پاک اور برتر ہے اس سے جو شرک کرتے ہیں۔

(پ ۲۰، القصص: ۶۸)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کو اختیار ماننا ہی شرک ہے تم بھی نبیوں، ولیوں کو اختیار مانتے ہو۔ تم نے انہیں الٰہ بنالیا۔

جواب: یہاں اختیار سے مراد پیدا کرنے کا اختیار ہے، اسی لئے فرمایا گیا:

وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ ؕ مَا کَانَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ (پ ۲۰،القصص:۶۸)

آپ کا رب جو چاہے پیدا کرے اور اختیار فرمائے انہیں کوئی اختیار نہیں۔

با اختیار سے مراد ہے رب تعالیٰ کے مقابل اختیار ورنہ تم بھی بادشاہوں، حاکموں کو با اختیار مانتے ہو۔ اسی لئے ان سے ڈرتے ہو۔

اعتراض: رب تعالیٰ نے نبیوں، ولیوں اور بتوں کے لئے فرمایا:

وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّھُمْ وَلَا یَنْفَعُھُمْ (پ ۱۱،یونس:۱۸)

وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ انہیں نقصان دے نہ نفع۔

معلوم ہوا کہ کسی کو نافع اور ضار ماننا اسے الٰہ ماننا ہے اور تم بھی نبیوں، ولیوں کو نافع اور ضار مانتے ہو تم بھی مشرک ہوئے۔

جواب: ان جیسی آیات میں رب تعالیٰ کے مقابلہ میں نافع ماننا مراد ہے کہ رب تعالیٰ چاہے ہمیں نقصان پہنچانا اور یہ ہمیں نفع پہنچا دیں، اس کی تفسیر یہ آیت ہے:

وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ (پ ۴،اٰل عمرٰن:۱۶۰)

اگر خدا تمہیں رسوا کرے تو اس کے بعد تمہیں مدد کون دے گا۔

ورنہ تم بھی بادشاہ حاکموں، بلکہ سانپ، بچھو، دواؤں کو نافع اور نقصان دہ مانتے ہو۔ نیز فرماتا ہے:

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا ھُوَ ؕ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (پ۷،الانعام:۱۷)

اگر تجھے اللہ سختی پہنچائے تو اس کے سوا کوئی دور کرنیوالا نہیں اور جو تجھے بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ آیت ان تمام آیتوں کی تفسیر ہے کہ نفع نقصان سے مراد رب تعالیٰ کے مقابل نفع اور نقصان ہے۔

اعتراض: رب تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا یَسۡمَعُ وَلَا یُبۡصِرُ وَلَا یُغۡنِیۡ عَنۡکَ شَیۡئًا ؇ (پ ۱۶، مریم: ۴۲)

ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے باپ تم اسے کیوں پوجتے ہو جو نہ سنے نہ دیکھے نہ تم سے کچھ مصیبت دور کرے۔

معلوم ہوا کہ کسی کو غائبانہ پکار سننے والا، غائبانہ دیکھنے والا، نافع وضار ماننا، اسے اللہ ماننا ہے۔ یہ شرک ہے۔ تم بھی نبیوں، ولیوں میں یہ صفات مانتے ہو۔ لہٰذا انہیں اللہ مانتے ہو۔

جواب: اس آیت میں دور سے سننے، دیکھنے کا ذکر کہاں ہے؟ یہاں تو کفار کی حماقت کا ذکر ہے کہ وہ ایسے پتھروں کو پوجتے ہیں جن میں دیکھنے، سننے کی بھی طاقت نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ جو سنے، دیکھے، وہ خدا ہے ورنہ پھر تو ہر زندہ انسان خدا ہونا چاہیے کہ وہ سنتا، دیکھتا ہے۔ **فَجَعَلۡنٰہُ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا** ؇ (الدھر: ۲)، رب تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَھُمۡ اَرۡجُلٌ یَّمۡشُوۡنَ بِھَاۤ ۫ اَمۡ لَھُمۡ اَیۡدٍ یَّبۡطِشُوۡنَ بِھَاۤ ۫ اَمۡ لَھُمۡ اَعۡیُنٌ یُّبۡصِرُوۡنَ بِھَاۤ ۫ (پ ۹، الاعراف: ۱۹۵)

کیا ان بتوں کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھیں۔

اس میں بھی ان کفار کی حماقت کا ذکر ہے کہ وہ بے آنکھ، بے ہاتھ اور بے پاؤں کی مخلوق کو پوجتے ہیں حالانکہ ان بتوں سے خود یہ بہتر ہیں کہ ان کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان وغیرہ تو ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس کے آنکھ، کان ہوں وہ خدا

ہوجائے۔

اعتراض: رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (پ ١٦، طٰہٰ: ٧، ٨)

اگر تم اونچی بات کہو تو وہ پوشیدہ اور چھپی باتوں کو جان لیتا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ الٰہ کی شان یہ ہے کہ اونچی نیچی، ظاہر، چھپی سب باتوں کو جانے، اگر کسی نبی ولی میں یہ طاقت مانی گئی تو اسے الٰہ مان لیا گیا اور شرک ہوگیا۔

جواب: خدا کی یہ صفات ذاتی، قدیم، غیر فانی ہیں۔ اسی طرح کسی میں یہ صفات ماننا شرک ہے۔ اس نے اپنے بندوں کو ظاہر پوشیدہ باتیں جاننے کی قوت بخشی ہے یہ قوت بہ عطاء الٰہی عارضی غیر میں ماننا عین ایمان ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝ (پ ٢٦، قٓ: ١٨)

بندہ کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک محافظ تیار بیٹھا ہے۔

یعنی اعمالنامہ لکھنے والا فرشتہ انسان کا ہر ظاہر اور پوشیدہ کلام لکھتا ہے۔ اگر اسی فرشتے کو ہر ظاہر باطن بات کا علم نہ ہوتا تو لکھتا کیسے ہے؟

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝

اور بے شک تم پر کچھ نگہبان ہیں معزز لکھنے والے جانتے ہیں ہر وہ جو تم کرو۔

(پ ٣٠، الانفطار: ١٠ ـ ١٢)

پتا لگا کہ اعمال نامہ لکھنے والے فرشتے ہمارے چھپے اور ظاہر عمل کو جانتے ہیں ورنہ تحریر کیسے کریں۔

اعتراض: رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْھُمْ رَھَقًاo (پ۲۹، الجن:٦)

اور کچھ انسانوں کے مرد کچھ جنوں کے مردوں کی پناہ لیتے تھے اور اس سے ان کا اور تکبر بڑھ گیا۔

معلوم ہوا کہ خدا کے سوا کسی کی پناہ لینا کفر وشرک ہے۔ فرماتا ہے:

وَھُوَیُجِیْرُوَلَایُجَارُعَلَیْہِ (پ۱۸، المؤمنون:۸۸)

وہ رب پناہ دیتا ہے اور اس پر پناہ نہیں دی جاتی۔

جواب: ان آیات میں رب تعالیٰ کے مقابل پناہ لینا مراد ہے نہ کہ اس کے اذن سے اس کے بندوں کی پناہ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْاَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَلَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًاo (پ۵، النسآء:٦٤)

اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرکے تمہارے پاس آجاویں اور اللہ سے بخشش چاہیں اور آپ بھی ان کی مغفرت کی دعا کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا مہربان پائیں۔

اگر یہ مراد نہ ہو تو ہم سردی گرمی میں کپڑوں مکانوں سے پناہ لیتے ہیں، بیماری میں حکیم سے، مقدمہ میں حاکموں سے یہ سب شرک ہوجاوے گا۔

اعتراض: خدا کے سوا کسی کو علم غیب ماننا شرک ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَّایَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ (پ۲۰، النمل:٦٥)

فرمادو جو آسمانوں اور زمین میں ہے ان میں غیب کوئی نہیں جانتا اللہ کے سوا۔

علم غیب دلیل الوہیت ہے جسے علم غیب مانا اسے الٰہ مان لیا۔ (جواہر القرآن)

جواب: اگر علم غیب دلیل الوہیت ہے تو ہر مومن الٰہ ہے کیونکہ ایمان بالغیب کے بغیر کوئی مومن نہیں ہوتا اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (البقرۃ:۳) اور بغیر علم کے ایمان ناممکن ہے اور ملک الموت، ابلیس، فرشتہ کاتب تقدیر بھی الٰہ ہو گئے کہ ان سب کو بہت علوم غیبیہ دیئے گئے ہیں۔ رب فرماتا ہے:

اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (پ۸،الاعراف:۲۷) وہ ابلیس اور اس کے قبیلہ والے تم کو وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

غیب کے متعلق نفی کی آیات بھی ہیں اور ثبوت کی بھی۔ نفی کی آیات میں واجب، قدیم، کل، ذاتی علم مراد ہے اور ثبوت کی آیات میں عطائی، ممکن، بعض، عارضی علم مراد۔ رب فرماتا ہے:

﴿۱﴾ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ٥(پ۷،الانعام:۵۹) نہیں ہے کوئی خشک و تر چیز مگر وہ روشن کتاب لوح محفوظ میں ہے۔

﴿۲﴾ وَتَفْصِیْلَ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ (پ۱۱،یونس:۳۷) قرآن لوح محفوظ کی تفصیل ہے اس میں شک نہیں۔

﴿۳﴾ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ (پ۱۴،النحل:۸۹) ہم نے آپ پر قرآن اتارا تمام چیزوں کا روشن بیان

اگر کسی کو علم غیب نہیں دینا تھا تو لکھا کیوں؟ اور جب لکھا گیا تو جو فرشتے لوح محفوظ کے حافظ ہیں تو انہیں علم ہے یا نہیں؟ ضرور ہے تو چاہیے کہ یہ سب الٰہ بن جائیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ حکم صرف اللہ کا ہے:

﴿۱﴾ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (پ۷،الانعام:۵۷) نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔

﴿۲﴾ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ۔

(پ ۱۵، بنیۤ اسرآءیل: ۲)

﴿۳﴾ وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا۝ اللہ کافی حساب لینے والا ہے۔

(پ ۴، النسآء: ۶)

تو چاہیے کہ وکیل ہونا، حکم ہونا، حسیب ہونا، الوہیت کی دلیل ہو۔ جسے وکیل مانا۔ اسے خدا مان لیا۔

؎ گرہمیں مکتب وہمیں مُلّا کار طفلاں تمام خواہد شد!

ولی

لفظ "وَلِیُ" وَلْیٌ یا وَلَایَۃٌ سے بنا ہے۔ وَلْیٌ کے معنی قرب اور ولایت کے معنی حمایت ہیں، لہٰذا وَلْیٌ کے لغوی معنی قریب، والی، حمایتی ہیں۔ قرآن شریف میں یہ لفظ اتنے معنی میں استعمال ہوا ہے ا۔ دوست، ۲۔ قریب، ۳۔ مددگار، ۴۔ والی، ۵۔ وارث، ۶۔ معبود، ۷۔ مالک، ۸۔ ہادی

﴿۱﴾ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ۝ (پ ۶، المائدۃ: ۵۵)

تمہارا دوست یا مددگار صرف اللہ اور اسکے رسول اور وہ مومن ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور رکوع کرتے ہیں۔

﴿۲﴾ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ

ہم ہی تمہارے دوست ہیں دنیا اور آخرت میں۔

(پ ۲۴، حٰمۤ السجدۃ: ۳۱)

﴿۳﴾ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ج وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ○ (پ۲۸، التحریم:۴)

پس نبی کا مددگار اللہ ہے اور جبریل اور نیک مومن اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں۔

﴿۴﴾ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا لا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ○ (پ۵، النسآء:۷۵)

پس بنادے تو ہمارے لئے اپنے پاس سے والی اور بنادے ہمارے لئے اپنے پاس سے مددگار۔

﴿۵﴾ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ (پ۲۱، الاحزاب:۶)

نبی زیادہ قریب یا زیادہ مالک ہیں مسلمانوں کے بمقابلہ ان کی جانوں کے اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

ان آیتوں میں ولی کے معنی قریب، دوست، مددگار، مالک ہیں۔

﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط (پ۱۰، الانفال:۷۲)

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں اور وہ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی ان کے بعض بعض کے وارث ہیں

اس آیت میں ولی بمعنی وارث ہے کیونکہ شروع اسلام میں مہاجر و انصار ایک دوسرے کے وارث بنادیئے گئے تھے۔

﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا (پ۱۰، الانفال:۷۲)

اور جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہ کی انہیں ان کی وراثت سے کچھ نہیں یہاں تک کہ ہجرت کریں۔

اس آیت میں بھی ولی سے مراد وارث ہے کیونکہ اول اسلام میں غیر مہاجر، مہاجر کا وارث نہ ہوتا تھا۔

﴿۸﴾ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (پ ۱۰،الانفال:۷۳)

اور کافر بعض بعض کے وارث ہیں۔

﴿۹﴾ واُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ (پ ۱۰،الانفال:۷۵)

رشتہ دار بعض بعض کے وارث ہیں

﴿۱۰﴾ فَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّاo یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ (پ ۱۶،مریم:۵،۶)

تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا وارث دے جو میرا اور آل یعقوب کا وارث و جانشین ہو۔

ان آیات میں بھی ولی سے مراد وارث ہے جیسا کہ بالکل ظاہر ہے۔

﴿۱۱﴾ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُھُمُ الطَّاغُوْتُ لا یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ط (پ ۳،البقرۃ:۲۵۷)

اللہ تعالٰی مومنوں کا حامی والی ہے کہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور کافروں کے حامی والی شیطان ہیں جو انہیں روشنی سے اندھیرے کی طرف نکالتے ہیں۔

اس آیت میں ولی بمعنی حامی والی ہے، بعض آیات میں ولی بمعنی معبود آیا ہے ملاحظہ ہو:

﴿۱۲﴾ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ م مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی ط (پ ۲۳،الزمر:۳)

جنہوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنالئے اور کہتے ہیں کہ نہیں پوجتے ہم ان کو مگر اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں۔

اس آیت میں ولی بمعنی معبود ہے اس لئے آگے فرمایا گیا: مَا نَعْبُدُهُمْ

﴿۱۳﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝ (پ ۱۶، الکھف: ۱۰۲)

تو کیا یہ کافر یہ سمجھتے ہیں کہ میرے سوا میرے بندوں کو معبود بنالیں بے شک ہم نے کافروں کی مہمانی کیلئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔

اس آیت میں بھی ولی بمعنی معبود ہے۔ اس لئے ان ولی بنانے والوں کو کافر کہا گیا۔ کیونکہ کسی کو دوست اور مدد گار بنانے سے انسان کافر نہیں ہوتا جیسا کہ پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا ہے۔ معبود بنانے سے کافر ہوتا ہے:

﴿۱۴﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا (پ ۲۰، العنکبوت: ۴۱)

ان کی مثال جنہوں نے خدا کے سوا کوئی معبود بنالیا مکڑی کی طرح ہے جس نے گھر بنایا۔

اس آیت میں بھی ولی بمعنی معبود ہے کہ یہاں کفار کی مذمت بیان ہو رہی ہے اور کافر ہی دوسروں کو معبود بناتے ہیں۔

ولی اللہ، ولی من دون اللہ

ولی بمعنی دوست یا مدد گار دو طرح کے ہیں ایک اللہ کے ولی، دوسرے اللہ کے مقابل ولی۔ اللہ کے ولی وہ ہیں جو اللہ سے قرب رکھتے ہیں اور اس کے دوست ہوں اور اسی وجہ سے دنیا والے انہیں دوست رکھتے ہیں ولی من دون اللہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ خدا کے دشمنوں کو دوست بنایا جائے جیسے کافروں یا بتوں یا شیطان کو،

دوسرے یہ کہ اللہ کے دوستوں یعنی نبی، ولی کو خدا کے مقابل مددگار سمجھا جائے کہ خدا کا مقابلہ کرکے یہ ہمیں کام آئیں گے۔ ولی اللہ کو ماننا عین ایمان ہے اور ولی من دون اللہ بنانا عین کفروشرک ہے۔ ولی اللہ کے لئے یہ آیت ہے:

﴿۱﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ — خبردار! اللہ کے دوست نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں ۔

(پ ۱۱، یونس: ۶۲،۶۳)

اس آیت میں ولی اللہ کا ذکر ہے۔

﴿۲﴾ لَایَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ — مسلمان کافروں کو دوست نہ بنائیں مسلمانوں کے سوا۔

(پ ۳، اٰل عمران: ۲۸)

﴿۳﴾ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝ (پ ۱، البقرۃ: ۱۰۷) — اللہ کے مقابل نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار

ان دو آیتوں میں ولی من دون اللہ کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں دشمنان خدا کو دوست بنانے کی ممانعت ہے۔ دوسری میں خدا کے مقابل دوست کی نفی ہے یعنی رب تعالیٰ کے مقابل دنیا میں کوئی مددگار نہیں نہ ولی، نہ پیر، نہ نبی۔ یہ حضرات جس کی مدد کرتے ہیں اللہ کے حکم اور اللہ کے ارادے سے کرتے ہیں۔

ولی یا اولیاء کے ان معانی کا بہت لحاظ رکھنا چاہیے۔ بے موقع ترجمہ بدعقیدگی کا باعث ہوتا ہے مثلاً۔ اگر نمبر ۱ کی آیت اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (المائدۃ: ۵۵) کا

ترجمہ یہ کردیا جائے کہ تمہارے معبود اللہ، رسول اور مومنین ہیں شرک ہوگیا اور اگر مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (البقرۃ:۱۰۷) کے یہ معنی کردیئے جائیں کہ خدا کے سوا کوئی مددگار نہیں تو کفر ہوگیا کیونکہ قرآن نے بہت سے مددگاروں کا ذکر فرمایا ہے اس آیت کا انکار ہوگیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کافروں، ملعونوں کا کوئی مددگار نہیں۔ معلوم ہوا کہ مومنوں کے مددگار ہیں۔

﴿۱﴾ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ (پ ۵، النسآء:۵۲) — اور جس پر خدا لعنت کردے اس کے لئے مددگار کوئی نہیں پاؤ گے۔

﴿۲﴾ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهٖ (پ۲۵، الشوریٰ:۴۴) — اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کے پیچھے کوئی مددگار نہیں۔

﴿۳﴾ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝ (پ۱۵، الکھف:۱۷) — جسے اللہ گمراہ کردے اس کیلئے ہادی مرشد آپ نہ پائیں گے۔

دعا

دُعَا دَعْوٌ یا دَعْوَتٌ سے بنا ہے جس کے معنی بلانا یا پکارنا ہے۔ قرآن شریف میں لفظ دعا پانچ معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ۱۔ پکارنا، ۲۔ بلانا، ۳۔ مانگنا یا دعا کرنا، ۴۔ پوجنا یعنی معبود سمجھ کر پکارنا، ۵۔ تمنا آرزو کرنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (پ۲۱، الاحزاب:۵) — انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک عدل ہے۔

﴿۲﴾ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ (پ۴، ال عمران:۱۵۳) — اور پیغمبر تم کو تمہارے پیچھے پکارتے تھے۔

﴿۳﴾لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا ؕ
رسول کے پکارنے کو بعض کے بعض کو پکارنے کی طرح نہ بناؤ۔
(پ۱۸،النور:٦٣)

ان جیسی تمام آیات میں دعا بمعنی پکارنا ہے۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ
اپنے رب کے راستہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت سے بلاؤ۔
(پ١٤،النحل:١٢٥)

﴿۲﴾وَادۡعُوۡا شُہَدَآءَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ (پ١،البقرۃ:٢٣)
اور بلاؤ اپنے مددگاروں کو اللہ کے سوا۔

﴿۳﴾وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ (پ٤،اٰل عمرٰن:١٠٤)
اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے۔

ان جیسی آیات میں دعا کے معنی بلانے کے ہیں۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾اُدۡعُوۡا رَبَّکُمۡ تَضَرُّعًا وَّ خُفۡیَۃً (پ٨،الاعراف:٥٥)
اپنے رب سے عاجزی سے خفیہ طور پر دعا مانگو۔

﴿۲﴾ اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ۝
بے شک میرا رب دعا کا سننے والا ہے۔
(پ١٣،ابراھیم:٣٩)

﴿۳﴾ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ ۝
اے ہمارے رب میری دعا سن لے۔
(پ١٣،ابراھیم:٤٠)

﴿٤﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (پ ۲۱،العنکبوت:۶۵) جب وہ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو خدا سے دعا مانگتے ہیں دین کو اس کیلئے خالص کر کے۔

﴿٥﴾ وَلَمْ اَكُنْ ۢبِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا ○ (پ ۱۶،مریم:۴) اے میرے رب میں تجھ سے دعا مانگنے میں کبھی نامراد نہ رہا۔

﴿٦﴾ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (پ ۲،البقرۃ:۱۸۶) میں دعا مانگنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب مجھ سے دعا کرتا ہے۔

﴿٧﴾ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ○ (پ ۱۳،الرعد:۱۴) اور نہیں ہے کافروں کی دعا مگر بربادی میں۔

﴿٨﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِیَّا رَبَّهٗ (پ ۳،ال عمرٰن:۳۸) وہاں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی۔

ان جیسی تمام آیات میں دعا کے معنی دعا مانگنا ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْۤ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ (پ ۲۴،حٰمۤ السجدۃ:۳۱) اور تمہارے لئے جنت میں وہ ہوگا جو تمہارے دل چاہیں اور تمہارے لئے وہاں وہ ہوگا جس کی تم تمنا کرو۔

اس آیت میں دعا بمعنی آرزو کرنا، چاہنا، خواہش کرنا ہے۔

﴿١﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ (پ ۹،الاعراف:۱۹۴) جنہیں تم خدا کے سوا پوجتے ہو وہ تم جیسے بندے ہیں۔

﴿۲﴾ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًاo (پ۲۹،الجن:۱۸)	بے شک مسجدیں اللہ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پوجو۔
﴿۳﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ (پ۲۶،الاحقاف:۵)	اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو خدا کے سوا ایسوں کو پوجتا ہے جو اس کی عبادت قبول نہ کرے قیامت تک۔
﴿٤﴾ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْــًٔا (پ۲٤،المؤمن:۷٤)	کافر کہیں گے کہ وہ غائب ہوگئے ہم سے بلکہ ہم اس سے پہلے کسی چیز کو نہ پوجتے تھے۔
﴿۵﴾ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْــًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَo اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ (پ۱٤،النحل:۲۰،۲۱)	اور وہ جن کی یہ مشرکین پوجا کرتے ہیں اللہ کے سوا وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ پیدا کئے جاتے ہیں یہ مردے ہیں زندہ نہیں۔
﴿٦﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِیْنَ كُنَّا نَدْعُوْمِنْ دُوْنِكَ (پ۱٤،النحل:۸٦)	اور جب مشرکین اپنے معبودوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے رب ہمارے یہ ہمارے وہ معبود ہیں جنہیں ہم تیرے سوا پوجا کرتے تھے۔

ان جیسی تمام وہ آیات جن میں غیر خدا کی دعا کو شرک و کفر کہا گیا یا اس پر جھڑ کا گیا ان سب میں دعا کے معنی عبادت (پوجا) ہے اور یدعون کے معنی ہیں وہ پوجتے ہیں اس کی تفسیر قرآن کی ان آیتوں نے کی ہے جہاں دعا کے ساتھ عبادت یا اللہ کا لفظ آ گیا ہے، فرماتا ہے:

﴿۱﴾ هُوَالْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (پ ۲٤، المؤمن: ٦٦)

وہی زندہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسے پوجو۔ اس کے لئے دین کو خالص کر کے سب خوبیاں اللہ رب العالمین کیلئے ہیں تم فرماؤ میں منع کیا گیا ہوں کہ انہیں پوجوں جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔

اس آیت میں لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ اور اَنْ اَعْبُدَ نے صاف بتا دیا کہ یہاں دعا سے پوجنا مراد ہے نہ کہ پکارنا۔

﴿۲﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ ○ (پ ۲٤، المؤمن: ٦٠)

اور تمہارے رب نے فرمایا کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا بیشک وہ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر دوزخ میں جائیں گے

یہاں دعا سے مراد دعا مانگنا ہے اور دعا بھی عبادت ہے اس لئے ساتھ ہی عبادت کا ذکر ہوا فقط پکارنا مراد نہیں۔

﴿۳﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗٓ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ ○ (پ ۲٦، الاحقاف: ٥-٦)

اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو خدا کے سوا اس کی پوجا کرتا ہے جو قیامت تک اس کی نہ سنیں اور جب لوگوں کا حشر ہوگا تو یہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت سے منکر ہو جاویں گے۔

یہاں بھی دعا سے مراد پکارنا نہیں بلکہ پوجنا یعنی معبود سمجھ کر پکارنا مراد ہے کیونکہ ساتھ ہی ان کے اس فعل کو عبادت کہا گیا ہے۔ان آیات نے ان تمام کی شرح کردی جہاں غیر خدا کی دعا کو شرک فرمایا گیا اور بتا دیا کہ وہاں دعا سے مراد پوجنا یا دعا مانگنا ہے اور دعا بھی عبادت ہے اگر غیر خدا کو پکارنا شرک ہوتا تو جن آیتوں میں پکارنے کا حکم دیا گیا۔ان سے ان آیات کا تعارض ہوجاتا۔پکارنے کی آیات ہم نے ابھی پیش کردیں اس لئے عام مفسرین ان ممانعت کی آیتوں میں دعا کے معنی عبادت کرتے ہیں ان کی یہ تفسیر قرآن کی ان آیتوں سے حاصل ہے۔

اعتراض: دعا کے معنی کسی لغت میں عبادت نہیں دعا کے معنی بلانا، ندا کرنا عام لغت میں مذکور ہیں لہذا ان تمام آیتوں میں اس کے معنی پکارنا ہی ہیں (جواہر القرآن)

جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ دعا کے لغوی معنی پکارنا ہیں اور اصطلاحی معنی عبادت ہیں۔قرآن میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا جہاں دعا کی اجازت ہے وہاں لغوی پکارنا مراد ہیں اور جہاں غیر خدا کی دعا سے ممانعت ہے وہاں عرفی معنی پوجنا مراد ہیں۔جیسے لغت میں صلوۃ کے معنی دعا ہیں اور عرفی معنی نماز۔قرآن میں اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ میں صلٰوۃ سے مراد نماز ہے اور صَلِّ عَلَیۡهِمۡ اور صَلُّوۡا عَلَیۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا میں صلٰوۃ سے مراد دعا ہے۔تمہارا اعتراض ایسا ہے جیسے کوئی نماز کا انکار کردے اور کہے قرآن میں جہاں بھی صلٰوۃ آیا ہے وہاں دعا مراد ہے کیونکہ یہی اس کے لغوی معنی ہیں ایسے ہی طواف کے لغوی معنی گھومنا ہیں اور اصطلاحی معنی ایک خاص عبادت ہیں قرآن میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

دوسرے یہ کہ واقعی دعا کے معنی پکارنا ہیں مگر پکارنے کی بہت سی نوعیتیں ہیں جن میں سے کسی کو خدا سمجھ کر پکارنا عبادت ہے، ممانعت کی آیات میں یہی مراد ہے یعنی کسی کو خدا سمجھ کر نہ پکارے۔اس کی تصریح قرآن کی اس آیت نے فرمادی:

وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (پ۱۸،المؤمنون:۱۱۷)

اور جو خدا کے ساتھ دوسرے خدا کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب رب کے پاس ہے۔

اس آیت نے خوب صاف فرمادیا کہ پکارنے سے خدا سمجھ کر پکارنا مراد ہے۔

اعتراض: ان ممانعت کی آیتوں میں پکارنا ہی مراد ہے مگر کسی کو دور سے پکارنا مراد ہے یہ سمجھ کر کہ وہ سن رہا ہے یہ ہی شرک ہے۔(جواہر القرآن)

جواب: یہ بالکل غلط ہے۔قرآن کی ان آیتوں میں دور نزدیک کا ذکر نہیں۔یہ قید آپ نے اپنے گھر سے لگائی ہے نیز یہ قید خود قرآن کی اپنی تفسیر کے بھی خلاف ہے لہٰذا مردود ہے نیز اگر دور سے پکارنا شرک ہو تو سب مشرک ہو جائیں گے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مدینہ منورہ سے حضرت ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو پکارا حالانکہ وہ نہاوند میں تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا کر تمام دور کے لوگوں کو پکارا اور تمام روحوں نے جو قیامت تک پیدا ہونیوالی تھیں انہوں نے سن لیا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔آج نمازی حضور علیہ السلام کو پکارتا ہے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ اے نبی! علیہ الصلوۃ والسلام آپ پر سلام ہو۔اگر یہ شرک ہو جاوے تو ہر نمازی کی نماز تو پیچھے ختم ہوا کرے ایمان پہلے ختم ہو جاوے آج ریڈیو کے ذریعہ دور سے لوگوں کو پکارتے ہیں اور وہ سن لیتے ہیں اگر کہا جائے کہ ریڈیو کی بجلی کی طاقت ایک سبب ہے اور سبب کے ماتحت دور

سے سننا شرک نہیں تو ہم بھی کہیں گے کہ نبوت کے نور کی طاقت ایک سبب ہے اور سبب کے ماتحت سننا شرک نہیں غرضیکہ یہ اعتراض نہایت ہی لغو ہے۔

اعتراض: ممانعت کی آیتوں میں مردوں کو پکارنا مراد ہے یعنی مرے ہوئے کو پکارنا یہ سمجھ کر کہ وہ سن رہا ہے شرک ہے۔ (جواہر القرآن)

جواب: یہ بھی غلط ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ یہ قید تمہارے گھر کی ہے قرآن میں نہیں آئی۔ رب تعالیٰ نے مردہ، زندہ، غائب، حاضر، دور نزدیک کی قید لگا کر ممانعت نہ فرمائی۔ لہٰذا یہ قید باطل ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ تفسیر خود قرآن کی تفسیر کے خلاف ہے۔ اس نے فرمایا کہ دعا سے مراد عبادت ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر مردوں کو پکارنا شرک ہو تو ہر نمازی نماز میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو پکارتا ہے: **اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ** اے نبی! علیہ الصلوۃ والسلام آپ پر سلام ہو، حالانکہ حضور وفات پا چکے ہیں ہم کو حکم ہے کہ قبرستان جا کر یوں سلام کریں: **اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ** ، اے مسلمانوں کے گھر والو! تم پر سلام ہو۔

ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کی ہوئی چڑیوں کو پکارا اور انہوں نے سن لیا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا پھر ان مرے ہوئے پرندوں کو پکارو وہ دوڑتے ہوئے تم تک آجائیں گے۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۶۰)

حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو ان کی ہلاکت کے بعد پکارا، صالح علیہ السلام کا قصہ سورۂ اعراف میں اس طرح بیان ہوا:

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ	تو انہیں زلزلے نے پکڑلیا تو وہ اپنے
دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ o فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ	گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے تو
وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ	صالح نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے
رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا	میری قوم بے شک میں نے تم تک
تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ o	اپنے رب کا پیغام پہنچادیا اور تمہارا بھلا
(پ۸،الاعراف:۷۸۔۷۹)	چاہا مگرتم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔

شعیب علیہ السلام کا واقعہ اسی سورۂ اعراف میں کچھ آگے یوں بیان فرمایا:

فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ	شعیب نے ہلاکت کفار کے بعد ان سے منہ
اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ	پھیرا اور کہا اے میری قوم! میں نے تجھے
لَكُمْ ج فَكَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ	اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے اور تمہاری
كٰفِرِیْنَ o (پ۹،الاعراف:۹۳)	خیر خواہی کی تو میں کافر قوم پر کیسے غم کروں؟

ان دونوں آیتوں میں فَتَوَلّٰی کی ف سے معلوم ہوا کہ ان دونوں پیغمبروں علیہما الصلوۃ والسلام کا یہ خطاب قوم کی ہلاکت کے بعد تھا۔ خود ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے دن مرے ہوئے ابوجہل، ابولہب، امیہ ابن خلف وغیرہ کفار سے پکار کر فرمایا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرض کرنے پر فرمایا کہ تم ان مردوں سے زیادہ نہیں سنتے۔(صحیح البخاری، کتاب الجنائز،باب ماجاء فی عذاب القبر، الحدیث ۱۳۷۰،ج۱،ص۴۶۲،دار الکتب العلمیة)

کہیے! اگر قرآن کے فتوے سے مردوں کو پکارنا شرک ہے تو ان انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے اس پکارنے کا کیا جواب دوگے۔ غرضیکہ یہ اعتراض محض باطل ہے۔

اعتراض: کسی کو دور سے حاجت روائی کے لئے پکارنا شرک ہے اور ممانعت کی آیتوں میں یہی مراد ہے لہٰذا اگر کسی نبی ولی کو دور سے یہ سمجھ کر پکارا گیا کہ وہ ہمارے حاجت روا ہیں تو شرک ہو گیا۔ (جواہر القرآن)

جواب: یہ اعتراض بھی غلط ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ قرآن کی ممانعت والی آیتوں میں یہ قید نہیں تم نے اپنے گھر سے لگائی ہے۔ لہٰذا معتبر نہیں۔ دوسرے اس لئے کہ یہ تفسیر خود قرآن کی اپنی تفسیر کے خلاف ہے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا۔ تیسرے اس لئے کہ ہم نے بتادیا کہ اللہ کے بندے دور سے سنتے ہیں خواہ نور نبوت سے یا نور ولایت سے۔ دوسرے باب میں ہم عرض کریں گے کہ قرآن کہہ رہا ہے کہ اللہ کے بندے حاجت روا، مشکل کشا بھی ہیں۔ جب یہ دونوں باتیں علیحدہ علیحدہ صحیح ہیں تو ان کا مجموعہ شرک کیونکر ہو سکتا ہے۔ قرآن فرما رہا ہے کہ اللہ کے بندے وفات کے بعد سن بھی لیتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں جو خاص خاص کو محسوس ہوتا ہے۔ رب فرماتا ہے:

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ۠ (پ ۲۵، الزخرف: ۴۵)	اے حبیب ان رسولوں سے پوچھو جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے کیا ہم نے خدا کے سوا ایسے معبود بنائے ہیں جن کی عبادت کی جاوے۔

غور کرو کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں انبیاء سابقین علیہم الصلوۃ والسلام وفات پا چکے تھے۔ مگر رب تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے محبوب! ان وفات یافتہ رسولوں سے پوچھ لو کہ کیا کوئی خدا کے سوا اور معبود ہے اور پوچھا اس سے جاتا ہے جو سن بھی لے اور جواب بھی دے۔ پتا لگا کہ اللہ کے بندے بعد وفات سنتے اور بولتے ہیں معراج کی رات سارے وفات یافتہ رسولوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے پیچھے نماز پڑھی۔ جحۃ

الوداع کے موقعہ پر وفات یافتہ رسولوں نے حج میں شرکت کی اور حج ادا کیا۔ اس بارے میں بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ دعا قرآن کریم میں بہت سے معنوں میں استعمال ہوا ہے ہر جگہ اس کے وہ معنی کرنا چاہئیں جو وہاں کے مناسب ہیں۔ جن وہابیوں نے ہر جگہ اس کے معنی پکارنا کئے ہیں وہ ایسے فحش غلط ہیں جس سے قرآنی مقصد فوت ہی نہیں بلکہ بدل جاتا ہے۔ اسی لئے وہابیوں کو اس پکارنے میں بہت سی قیدیں لگانی پڑتی ہیں کبھی کہتے ہیں غائب کو پکارنا، کبھی کہتے ہیں مردہ کو پکارنا، کبھی کہتے ہیں دور سے سنانے کیلئے پکارنا، کبھی کہتے ہیں مافوق الاسباب سنانے کے لئے دور سے پکارنا شرک ہے مگر پھر بھی نہیں مانتے پھر تعجب ہے کہ جب کسی کو پکارنا عبادت ہوا تو عبادت کسی کی بھی کی جائے شرک ہے، زندہ کی یا مردہ کی، قریب کی یا دور کی پھر یہ قیدیں بے کار ہیں۔ غرضکہ یہ معنی نہایت ہی غلط ہیں۔ ان جگہوں میں دعا سے مراد پوجنا ہے۔ اس معنی پر نہ کسی قید کی ضرورت ہے نہ کوئی دشواری پیش آسکتی ہے۔

نوٹ ضروری: اللہ کے پیارے وفات کے بعد زندوں کی مدد کرتے ہیں۔

قرآن شریف سے ثابت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ	یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا
اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ	کہ جو میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر
جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ	تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول
لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ	جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے تو تم
(پ ۳، ال عمران: ۸۱)	اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔

اس آیت سے پتا لگا کہ میثاق کے دن رب تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے دو وعدے لئے۔ایک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا، دوسرے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنا۔اور رب تعالیٰ جانتا تھا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے کسی کی زندگی میں نہ تشریف لائینگے پھر بھی انہیں ایمان لانے اور مدد کرنے کا حکم دیا معلوم ہوا کہ روحانی ایمان اور روحانی مدد مراد ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام نے دونوں وعدوں کو پورا کیا کہ معراج کی رات سب نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے پیچھے نماز پڑھی یہ ایمان کا ثبوت ہے۔ بہت سے پیغمبروں نے حج الوداع میں شرکت کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شب معراج دین مصطفیٰ کی اس طرح مدد کی کہ پچاس نمازوں کی پانچ کرادیں۔اب بھی وہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام مسلمانوں کی اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دین کی روحانی مدد فرمارہے ہیں اگر یہ مدد نہ ہوا کرتی تو یہ عہد لغو ہوتا عیسی علیہ السلام آخر زمانہ میں اس عہد کو ظاہر طور پر بھی پورا فرمانے کے لئے تشریف لائیں گے۔

عبادت

قرآن شریف کی اصطلاحوں میں عبادت بھی بہت اہم اور نازک اصطلاح ہے۔کیونکہ یہ لفظ قرآن شریف میں بہت کثرت سے آیا ہے اور اس کے معنے میں نہایت باریکی ہے۔اطاعت، تعظیم، عبادت ان تینوں میں نہایت لطیف فرق ہے بعض لوگ اس نازک فرق کا اعتبار نہیں کرتے۔ ہر تعظیم کو بلکہ ہر اطاعت کو عبادت کہہ کر سارے مسلمانوں بلکہ اپنے بزرگوں کو بھی مشرک وکافر کہہ دیتے ہیں۔اس لئے اس کا مفہوم، اس کا مقصود، بہت غور سے سنیئے۔

عبادت عبدٌ سے بنا ہے بمعنی بندہ، عبادت کے لغوی معنی ہیں بندہ بننا یا اپنی بندگی کا اظہار کرنا جس سے لازم آتا ہے معبود کی الوہیت کا اقرار کرنا مفسرین نے اس کی تعریف انتہائی تعظیم بھی کی ہے اور انتہائی عاجزی بھی۔ دونوں تعریفیں درست ہیں کیونکہ عابد کی انتہائی عاجزی سے معبود کی انتہائی تعظیم لازم ہے اور معبود کی انتہائی تعظیم سے عابد کی انتہائی عاجزی مستلزم۔ انتہائی تعظیم کی حد یہ ہے کہ معبود کی وہ تعظیم کی جاوے جس سے زیادہ تعظیم ناممکن ہو اور اپنی ایسی عاجزی کی جاوے جس سے نیچے کوئی درجہ متصور نہ ہو اس لئے عبادت کی شرط یہ ہے کہ بندگی کرنیوالا معبود کو الٰہ اور اپنے کو اس کا بندہ سمجھے یہ سمجھ کر جو تعظیم بھی اس کی کرے گا عبادت ہوگی۔ اگر اسے الٰہ نہیں سمجھتا۔ بلکہ نبی، ولی، باپ، استاد، پیر، حاکم، بادشاہ سمجھ کر تعظیم کرے تو اس کا نام اطاعت ہوگا۔ توقیر، تعظیم، تبجیل ہوگا، عبادت نہ ہوگا غرضیکہ اطاعت و تعظیم تو اللہ تعالیٰ اور بندوں سب کی ہوسکتی ہے لیکن عبادت اللہ تعالیٰ ہی کی ہوسکتی ہے بندے کی نہیں اگر بندے کی عبادت کی تو شرک ہوگیا اور اگر بندے کی تعظیم کی تو جیسا بندہ ویسا اس کی تعظیم کا حکم۔ کوئی تعظیم کفر ہے، جیسے گنگا جمنا، ہولی، دیوالی کی تعظیم۔ کوئی تعظیم ایمان ہے جیسے پیغمبر کی تعظیم، کوئی تعظیم ثواب ہے، کوئی گناہ۔ اسی لئے قرآن کریم میں عبادت کے ساتھ ہمیشہ اللہ تعالیٰ یا رب یا الٰہ کا ذکر ہے اور اطاعت و تعظیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا بھی ذکر ہے اور نبی کا بھی، ماں باپ کا بھی حاکم کا بھی فرماتا ہے:

﴿۱﴾ وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (پ ۱۵، بنیٓ اسرآءیل: ۲۳)

آپ کے رب نے فیصلہ فرمادیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔

﴿۲﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِہٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ (پ۷،المائدۃ:۱۱۷)

نہیں کہا تھا میں نے ان سے مگر وہ ہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔

﴿۳﴾ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ (پ۱،البقرۃ:۲۱)

اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا۔

﴿٤﴾ نَعْبُدُ اِلٰهَکَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ (پ۱،البقرۃ:۱۳۳)

ہم عبادت کرینگے آپ کے الٰہ کی اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحٰق کے الٰہ کی۔ علیہم السلام

﴿۵﴾ قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ (پ۳۰،الکافرون:۱۔۲)

فرمادو اے کافرو جن کی تم پوجا کرتے ہو ان کی پوجا میں نہیں کرتا۔

ان جیسی ساری عبادت کی آیتوں میں صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا لیکن اطاعت و تعظیم میں سب کا ذکر ہوگا۔

﴿۱﴾ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (پ۵،النسآء:۵۹)

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں سے حکم والوں کی۔

﴿۲﴾ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (پ۵،النسآء:۸۰)

جس نے رسول کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔

﴿۳﴾ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (پ۲٦،الفتح:۹)

نبی کی مدد کرو اور ان کی تعظیم وتوقیر کرو۔

﴿٤﴾ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ (پ۹،الاعراف:۱۵۷)

پس جو ایمان لائے نبی پر اور تعظیم کی ان کی اور مدد کی۔

﴿۵﴾ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ۝ (پ۱۷،الحج:۳۲)

اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دلی پرہیز گاری ہے۔

غرضیکہ تعظیم واطاعت بندے کی بھی ہوسکتی ہے لیکن عبادت صرف اللہ کی جب عبادت میں یہ شرط ہے کہ الٰہ جان کر کسی کی تعظیم کرنا تو یہ بھی سمجھ لو کہ الٰہ کون ہے اس کی پوری تحقیق ہم الٰہ کی بحث میں کر چکے کہ الٰہ وہ ہے جسے خالق مانا جائے یا خالق کے برابر۔ برابری خواہ خدا کی اولاد مان کر ہو یا اس طرح مستقل مالک، حاکم، حی، قیوم مان کر یا اللہ تعالیٰ کو اس کا حاجت مند مان کر ہو۔ایک ہی کام اس عقیدے سے ہو تو عبادت ہے اور اس عقیدے کے بغیر ہو تو عبادت نہیں۔

دیکھو رب تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو:

﴿۱﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ (پ ۱٤،الحجر:۲۹)

پس جب میں انہیں برابر کردوں اور ان میں اپنی روح پھونک دوں تو تم ان کیلئے سجدہ میں گر جاؤ۔

﴿۲﴾ وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا (پ۱۳،یوسف:۱۰۰)

اور یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت پر اٹھالیا اور وہ سب ان کے سامنے سجدے میں گر گئے۔

ان آیتوں سے پتا لگا کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں سجدہ کیا اور بھی امتوں میں سجدہ کا رواج تھا کہ چھوٹے بڑوں کو سجدہ کرتے تھے پھر یہ بھی فرمایا:

﴿۳﴾لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ
سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو۔اور اللہ کو سجدہ کرو۔

(پ ۲٤،حٰمۤ السجدۃ:۳۷)

اس قسم کی بہت آیتوں میں سجدہ کرنے کو منع فرمایا گیا بلکہ اسے کفر قرار دیا۔ پچھلی آیتوں میں سجدہ تعظیمی مراد ہے اوران آیتوں میں سجدہ تعبدی مراد ہے۔ بندوں کوتعبدی سجدہ نہ اس سے پہلے کسی دین میں جائز تھا نہ ہمارے اسلام میں جائز، ہمیشہ سے یہ شرک ہے سجدہ تعظیمی پہلے دینوں میں جائز تھا ہمارے اسلام میں حرام،لہٰذا کسی کوسجدہ تعظیمی کرنا اب حرام ہے شرک نہیں ۔لیکن سجدہ تعبدی کرنا شرک ہے۔ایک ہی کام الوہیت کے عقیدے سے شرک ہے اور بغیر عقیدۂ الوہیت شرک نہیں مسلمان سنگ اسود، مقام ابراہیم،آب زمزم کی تعظیم کرتے ہیں مشرک نہیں مگر ہندو بت یا گنگا جل کی تعظیم کرے تو مشرک ہے کیونکہ مومن کا عقیدہ ان چیزوں کی الوہیت کا نہیں اور کفار کا عقیدہ الوہیت کا ہے۔

عبادت کی قسمیں

عبادت بہت طرح کی ہے۔جانی، مالی، بدنی، وقتی وغیرہ مگراس کی قسمیں دو ہیں۔ایک وہ جس کا تعلق براہ راست رب تعالیٰ سے ہو کسی بندے سے نہ ہو، جیسے نماز، روزہ، حج ،زکوۃ، جہاد وغیرہ کہ بندہ ان کاموں سے صرف رب تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت کرتا ہے بندے کی رضا کا اس میں دخل نہیں ۔دوسرے وہ جن کا تعلق بندے سے بھی ہے اور رب تعالیٰ سے بھی یعنی جن بندوں کی اطاعت کا رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے

ان کی اطاعت خدا کو راضی کرنے کے لئے رب کی عبادت ہے ۔ جیسے والدین کی فرمانبرداری، مرشد استاد کی خوشی، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف، اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی غرضیکہ کوئی جائز کام ہو۔ اگر اس میں رب تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت کرلی جائے تو وہ رب تعالیٰ کی عبادت بن جاتے ہیں اور ان پر ثواب ملتا ہے حتی کہ جو اپنے بیوی بچوں کو کما کر اس لئے کھلائے کہ یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے، رب تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے تو کمانا بھی عبادت ہے اور جو خدا کا رزق اس لئے کھائے کہ رب تعالیٰ کا حکم ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، اداءِ فرض کا ذریعہ ہے تو کھانا بھی عبادت ہے ۔ اسی لئے مجاہد فی سبیل اللہ غازی کا کھانا، پینا، سونا، جاگنا عبادت ہے بلکہ ان کے گھوڑوں کی رفتار بھی عبادت ہے ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًاo (پ ۳۰، العٰدیٰت: ۱)
قسم ہے ان گھوڑوں کی جو دوڑتے ہیں سینے کی آواز نکالتے ۔

فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًاo (پ ۳۰، العٰدیٰت: ۲)
پھر سم مار کر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں ۔

فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًاo (پ ۳۰، العٰدیٰت: ۳)
پھر صبح ہوتے ہی کفار کو تاخت وتاراج کرتے ہیں ۔

لہٰذا ماں باپ کو راضی کرنا ۔ ان کی اطاعت کرنا، رب تعالیٰ کی عبادت ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جان و مال قربان کرنا اس سرکار کی اطاعت ہے اور رب تعالیٰ کی عبادت بلکہ اعلیٰ ترین عبادت ہے ۔ موجودہ وہابی اس الوہیت کی قید سے بے خبر رہ کر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر کو شرک کہہ دیتے ہیں ان کے ہاں محفل میلاد

شریف شرک، قبروں پر جانا شرک، عید کو سویاں پکانا شرک، نعلین کو بوسہ دینا شرک، گویا قدم قدم پر شرک ہے اور ساری مشرکین و کفار کی آیات مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔

اعتراض: کسی کو حاجت روا مشکل کشا سمجھ کر اس کی تعظیم کرنا عبادت ہے اور اس کے سامنے جھکنا بندگی ہے۔ (جواہر القرآن۔تقویۃ الایمان)

جواب: یہ غلط ہے ہم حکام وقت کی تعظیم کرتے ہیں یہ سمجھ کر کہ بہت سی مشکلات میں ان کے پاس جانا پڑتا ہے کیا یہ عبادت ہے؟ ہر گز نہیں حکیم، استاد کی تعظیم کی جاتی ہے کہ ان سے کام نکلتے رہتے ہیں۔ یہ عبادت نہیں۔

اعتراض: کسی کو مافوق الاسباب متصرف مان کر اس کی تعظیم کرنا عبادت ہے اور یہ ہی شرک ہے۔

جواب: یہ بھی غلط ہے فرشتے مافوق الاسباب تصرف کرتے ہیں۔ یہ جان نکالتے ہیں ماں کے پیٹ میں بچے بناتے ہیں بارش برساتے ہیں عذاب الٰہی لاتے ہیں۔ یہ سمجھ کر فرشتوں کی تعظیم کرنا ان کی عبادت ہے؟ نہیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انگلیوں سے پانی کے چشمے باذن اللہ جاری کر دیئے۔ چاند پھاڑ ڈالا۔ ڈوبا سورج واپس بلالیا، کنکروں، پتھروں سے کلمہ پڑھوایا۔ درختوں، جانوروں سے اپنی گواہی دلوائی، حضرت عیسی علیہ السلام نے باذن اللہ مردے زندہ کئے۔ اندھے، کوڑھی اچھے کئے یہ سارے کام مافوق الاسباب کئے۔ اس لئے ان کی تعظیم کرنا عبادت ہے۔ ہر گز نہیں کیونکہ انہیں خدا کے برابر کوئی نہیں مانتا۔ خدا کے برابر ماننا ہی عبادت کے لئے شرط اول ہے۔ یہ سب اللہ کے بندے اللہ کے اذن وارادے سے کرتے ہیں۔ اسی لئے حضرت صالح و

حضرت ہود، حضرت شعیب، حضرت نوح اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی قوم کو پہلی تبلیغ یہ ہی فرمائی:

یٰـقَـوۡمِ اعۡبُـدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰـهٍ غَيۡرُهٗ (پ۸،الاعراف:۵۹)

اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔

یعنی میری اطاعت کرنا، تعظیم کرنا، توقیر بجالانا، مجھے تمام قوم سے افضل سمجھنا لیکن مجھے خدا یا خدا کی اولاد، خدا کے برابر یا خدا کو میرا محتاج نہ سمجھنا اور ایسا عقیدہ رکھ کر میری تعظیم نہ کرنا کیونکہ اس عقیدے سے کسی کی تعظیم وتوقیر عبادت ہے اور عبادت خدا کے سوا کسی کی درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی سچی سمجھ عطا فرمائے۔ اس میں بہت بڑے لوگ ٹھوکریں کھاجاتے ہیں۔

من دون اللہ

قرآن شریف میں یہ لفظ بہت زیادہ استعمال ہوا ہے۔ عبادت کے ساتھ بھی آیا ہے۔ تصرف اور مدد کے ساتھ بھی، ولی اور نصیر کے ساتھ بھی۔ شہید اور وکیل کے ساتھ بھی شفیع کے ساتھ بھی۔ ہدایت، ضلالت کے ساتھ بھی جیسے کہ قرآن کی تلاوت کرنے والوں پر مخفی نہیں اور ہم بھی ہر طرح کی آیات گزشتہ مضامین میں پیش کرچکے ہیں۔

اس لفظ دون کے معنی سواء اور علاوہ ہیں، مگر یہ معنی قرآن کی ہر آیت میں درست نہیں ہوتے۔ اگر ہر جگہ اس کے معنی سواء کئے جائیں تو کہیں تو آیات میں سخت تعارض ہوگا اور کہیں قرآن میں صراحۃً جھوٹ لازم آئے گا جس کے دفع کے لئے سخت دشواری ہوگی قرآن کریم میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ تین معنی میں

استعمال ہوا ہے۔

﴿۱﴾ سواء، علاوہ ﴿۲﴾ مقابل ﴿۳﴾ اللہ کو چھوڑ کر۔ جہاں من دون اللہ عبادت کے ساتھ ہو یا ان الفاظ کے ہمراہ آوے جو عبادت یا معبود کے معنی میں استعمال ہوئے ہوں تو اس کے معنی سواء ہوں گے کیونکہ خدا کے سواء کسی کی عبادت نہیں ہوسکتی، جیسے اس آیت میں۔

﴿۱﴾ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُاللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰكُمْ (پ ۱۱، یونس: ۱۰۴)

پس نہیں پوجتا میں انہیں جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا اور لیکن میں تو اس اللہ کو پوجوں گا جو تمہیں موت دیتا ہے۔

﴿۲﴾ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَلَا یَضُرُّهُمْ (پ ۱۹، الفرقان: ۵۵)

اور پوجتے ہیں وہ کافر اللہ کے سواء انہیں جو نہ انہیں نفع دیں نہ نقصان۔

﴿۳﴾ اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (پ ۲۳، الصّٰفّٰت: ۲۲، ۲۳)

جمع کرو ظالموں کو اور ان کی بیویوں کو اور ان کو جن کی پوجا کرتے تھے یہ اللہ کے سواء۔

اس جیسی بہت سی آیات میں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے معنی اللہ کے سواء ہیں کیونکہ یہ عبادت کے ساتھ آئے ہیں اور عبادت غیر اللہ کسی کی بھی نہیں ہوسکتی۔

﴿۴﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا (پ ۲۲، فاطر: ۴۰)

فرماؤ کہ تم بتاؤ کہ تمہارے وہ شرکاء جن کی تم پوجا کرتے ہو خدا کے سواء مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیا۔

﴿۵﴾ وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ (پ ۱، البقرۃ:۲۳)

اور بلا لو اپنے معبودوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

﴿۶﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ (پ ۱۶، الکہف:۱۰۲)

تو کافروں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ میرے بندوں کو میرے سوا معبود بنائیں۔

ان جیسی آیات میں چونکہ دون کا لفظ تدعون اور اولیاء کے ساتھ آیا ہے اور یہاں تدعون کے معنی عبادت ہیں اور اولیاء کے معنی معبود لہٰذا یہاں بھی دون بمعنی علاوہ اور سوا ہوگا۔ لیکن جہاں "دون" مدد یا نصرت یا دوستی کے ساتھ آوے گا تو وہاں اس کے معنی صرف سواء کے نہ ہوں گے۔ بلکہ اللہ کے مقابل یا اللہ کو چھوڑ کر ہوں گے یعنی اللہ کے سواء اللہ کے دشمن۔ اس تفسیر اور معنی میں کوئی دشواری نہ ہوگی جیسے

﴿۱﴾ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا○ (پ ۱۵، بنیٓ اسرآءیل:۲)

کہ میرے مقابل کسی کو وکیل نہ بناؤ۔

﴿۲﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ (پ ۲۴، الزمر:۴۳)

کیا ان لوگوں نے اللہ کے مقابل کچھ سفارشی بنا رکھے ہیں۔

﴿۳﴾ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ○ (پ ۱، البقرۃ:۱۰۷)

اور اللہ کے مقابل نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔

﴿۴﴾ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا○ (پ ۶، النسآء:۱۷۳)

اور وہ اللہ کے مقابل اپنا نہ کوئی دوست پائینگے اور نہ مددگار۔

﴿۵﴾لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (پ۳،اٰل عمرٰن:۲۸)	مومن مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔
﴿۶﴾وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًاؕ (پ۵،النسآء:۱۱۹)	اور جو شیطان کو دوست بنائے خدا کو چھوڑ کر وہ کھلے ہوئے گھاٹے میں پڑ گیا۔
﴿۷﴾وَمَا کَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِیَآءَ (پ۱۲،ھود:۲۰)	اور نہیں ہے ان کافروں کے لئے اللہ کے مقابل کوئی مددگار۔

ان جیسی تمام ان آیتوں میں جہاں مدد، نصرت، ولایت، دوستی وغیرہ کے ساتھ لفظ دون آیا ہے۔ ان میں اس کے معنی صرف سواء یا علاوہ کے نہیں بلکہ وہ سواء مراد ہے جو رب تعالیٰ کا دشمن یا مقابل ہے۔ لہٰذا اس دون کے معنے مقابل کرنا نہایت موزوں ہے جن مفسرین نے یا ترجمہ کرنیوالوں نے ان مقامات میں سواء ترجمہ کیا ہے ان کی مراد بھی سواء سے ایسے ہی سواء مراد ہیں۔ اس دون کی تفسیر یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ (پ۴،اٰل عمرٰن:۱۶۰)	اور اگر رب تمہیں رسوا کرے تو کون ہے جو پھر تمہاری مدد کرے۔

﴿۲﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُکُمْ مِّنَ اللّٰہِ اِنْ اَرَادَ بِکُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِکُمْ رَحْمَۃًط وَلَا یَجِدُوْنَ لَھُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًاo (پ ۲۱،الاحزاب:۱۷)

تم فرماؤ کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچائے اگر ارادہ کرے رب تمہارے لئے برائی کا اور ارادہ کرے مہربانی کا اور وہ اللہ کے مقابل کوئی نہ دوست پائیں گے نہ مددگار۔

﴿۳﴾ اَمْ لَھُمْ اٰلِھَۃٌ تَمْنَعُھُمْ مِّنْ دُوْنِنَاط (پ۱۷،الانبیآء:۴۳)

کیا ان کے کچھ ایسے خدا ہیں جو انہیں ہم سے بچالیں۔

ان آیات نے تفسیر فرمادی کہ جہاں مدد یا دوستی کے ساتھ لفظ دون آئے گا وہاں مقابل اور رب کو چھوڑ کر معنی دے گا نہ کہ صرف سواء یا علاوہ کے۔

نیز اگر اس جگہ دون کے معنی سواء کئے جائیں تو آیات میں تعارض بھی ہوگا کیونکہ مثلاً یہاں تو فرمایا گیا رب کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں اور جو آیات ولی کی بحث میں پیش کی گئیں وہاں فرمایا گیا کہ تمہارا ولی اللہ اور رسول اور نیک مومنین ہیں یا تمہارے ولی فرشتے ہیں یا فرمایا گیا کہ اے مولیٰ اپنی طرف سے ہمارے مددگار فرما۔ اس تعارض کا اٹھانا بہت مشکل ہوگا۔

نیز اگر ان آیات میں دون کے معنی سواء کئے جائیں تو عقل کے بالکل خلاف ہوگا اور رب کا کلام معاذ اللہ جھوٹا ہوگا۔

مثلاً یہاں فرمایا گیا کہ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَط (پ ۲۴،الزمر:۴۳) انہوں نے خدا کے سوا سفارشی بنالیئے۔ سفارشی تو خدا کے سوا ہی ہوگا

خداتو سفارشی ہوسکتا ہی نہیں یا فرمایا گیا:

اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ○ (بنیٓ اسرآءیل:۲) میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ حالانکہ دن رات وکیل بنایا جاتا ہے اب وکیل کے معنی کی توجیہیں کرو اور شفعاء کے متعلق بحث کرتے پھرو لیکن اگر یہاں دون کے معنی مقابل کر لئے جائیں تو کلام نہایت صاف ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل نہ کوئی سفارشی ہے نہ وکیل، نہ کوئی حمایتی ہے نہ کوئی مددگار نہ کوئی دوست جو کوئی جو کچھ ہے وہ رب تعالیٰ کے ارادہ اور اسی کے حکم سے ہے لہٰذا جہاں بندوں سے ولایت، حمایت، مدد، دوستی کی نفی ہے وہاں رب تعالیٰ کے مقابل ہو کر ہے کہ رب تعالیٰ چاہے ہلاک کرنا اور یہ مدد کر کے بچالیں اور جہاں ان چیزوں کا بندوں کے لئے ثبوت ہے وہاں اذن الٰہی سے مدد نصرت وغیرہ ہے۔

اعتراض: ان آیات میں مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ سے اللہ کے سواء ہی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سواء غائبانہ مافوق الاسباب مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ یہ ہی عقیدہ شرک ہے جن آیتوں میں اللہ کے بندوں کی مدد اور ولایت کا ثبوت ہے۔ وہاں حاضرین زندوں کی اسباب غائبانہ مدد مراد ہے۔ (جواہر القرآن)

جواب: یہ توجیہہ بالکل غلط ہے چند وجہوں سے ایک یہ کہ نفی مدد کی آیتوں میں کوئی قید نہیں ہے مطلق ہیں تم نے اپنے جیب سے اس میں تین قیدیں لگائیں غائبانہ، مافوق الاسباب، مردوں کی مدد، قرآن کی آیت خبر واحد سے بھی مقید نہیں ہوسکتی اور تم صرف اپنے گمان وہم سے مقید کر رہے ہو۔ اور اگر دون کو بمعنی مقابل لیا جاوے تو کوئی قید

لگانی نہیں پڑتی۔

دوسرے یہ کہ تمہاری یہ تفسیر خود قرآن کی اپنی تفسیر کے خلاف ہے قرآن کی مذکورہ بالا آیات نے بتایا کہ یہاں دون بمعنی مقابل ہے۔لہٰذا تمہاری یہ تفسیر تحریف ہے۔تفسیر نہیں۔تیسرے یہ کہ ان قیدوں کے باوجود آیت درست نہیں ہوتی کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ سے بیٹھے ہوئے حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مافوق الاسباب مدد فرمادی کہ انہیں دشمن کی خفیہ تدبیر سے مطلع فرمادیا۔حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کی مافوق الاسباب دور سے مدد فرمادی کہ اپنی قمیص کے ذریعہ باذن پروردگار ان کی آنکھیں روشن فرمادیں اور ظاہر ہے کہ قمیص آنکھ کی شفا کا سبب نہیں لہٰذا یہ مدد مافوق الاسباب ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے بعد ہماری مافوق الاسباب یہ مدد کی کہ پچاس نمازوں کی پانچ کرادیں۔

اس قسم کی سینکڑوں مددیں ہیں جو اللہ کے پیاروں نے غائبانہ مافوق الاسباب فرمائیں۔تمہاری اس تفسیر کی رو سے سب شرک ہوگئیں غرضیکہ تمہاری یہ تفسیر درست نہیں ہوسکتی۔چوتھے یہ کہ تم اپنی قیدوں پر خود قائم نہ رہو گے۔اچھا بتاؤ۔اگر غائبانہ امداد تو منع ہے کیا حاضرانہ امداد جائز ہے تو بتاؤ کسی زندہ ولی سے اس کے پاس جاکر فرزند مانگنا یا رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اطہر پر جاکر حضور سے جنت مانگنا و دوزخ سے پناہ مانگنا جائز ہے تم اسے بھی شرک کہتے ہو تو تمہاری یہ قیدیں خود تمہارے مذہب کے خلاف ہیں بہرحال یہ قیود باطل ہیں ان آیات میں دون بمعنی مقابل ہے۔

نذرونیاز

قرآن کریم میں یہ لفظ بہت جگہ استعمال ہوا ہے نذر کے لغوی معنی ہیں ڈرانا یا ڈرسنانا۔ شرعی معنی ہیں غیر لازم عبادت کو اپنے پر لازم کرلینا، عرفی معنی ہیں نذرانہ وہدیہ قرآن کریم میں یہ لفظ ان تینوں معانی میں استعمال ہوا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ اِنَّـآ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا (پ ۲۲، فاطر: ۲٤) — ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دینے والا ڈرسنانے والا۔

﴿۲﴾ اِنۡ مِّـنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡھَـا نَذِیۡرٌ ○ (پ ۲۲، فاطر: ۲٤) — نہیں ہے کوئی جماعت مگر گزرے ان میں ڈرانے والے۔

﴿۳﴾ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ رَبِّکُمۡ وَیُنۡذِرُوۡنَکُمۡ لِقَآءَ یَوۡمِکُمۡ ھٰذَا (پ ۲٤، الزمر: ۷۱) — کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہ آئے جو تم پر تمہارے رب کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور تمہیں اس دن کے ملنے سے ڈراتے۔

﴿٤﴾ فَاَنۡذَرۡتُکُمۡ نَارًا تَلَظّٰی ○ (پ ۳۰، الیل: ۱٤) — اور ڈرایا میں نے تم کو بھڑکتی ہوئی آگ سے۔

﴿۵﴾ اِنَّـآ اَنۡزَلۡنٰـہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰـرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ ○ (پ ۲۵، الدخان: ۳) — ہم نے قرآن شریف اتارا برکت والی رات میں ہم ہیں ڈرانے والے۔

ان جیسی بہت سی آیات میں نذر لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے بمعنی ڈرانا، دھمکانا۔ اس معنی میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی آتا ہے اور انبیاء کرام کے لئے بھی اور علماء دین کے لئے بھی۔ یہ لفظ شرعی معنی میں بھی استعمال ہوا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ مَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ (پ۳، البقرۃ: ۲۷۰)

جو کچھ تم خرچ کرو یا نذر مانو کوئی نذر، اللہ اسے جانتا ہے۔

﴿۲﴾ رَبِّ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لَکَ مَا فِیۡ بَطۡنِیۡ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلۡ مِنِّیۡ (پ۳، اٰل عمرٰن: ۳۵)

اے میرے رب میں نے نذر مانی تیرے لئے اس بچے کی جو میرے پیٹ میں ہے آزاد۔ پس قبول فرما مجھ سے۔

﴿۳﴾ وَلۡيُوۡفُوۡا نُذُوۡرَهُمۡ وَلۡيَطَّوَّفُوۡا بِالۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ۝ (پ۱۷، الحج: ۲۹)

چاہیے کہ یہ لوگ اپنی نذریں پوری کریں اور پرانے گھر کا طواف کریں۔

﴿۴﴾ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُکَلِّمَ الۡيَوۡمَ اِنۡسِيًّا ۝ (پ۱۶، مریم: ۲۶)

میں نے اللہ کے لئے روزے کی نذر مانی ہے پس آج کسی سے کلام نہ کروں گی۔

ان جیسی آیات میں نذر سے شرعی معنی مراد ہیں یعنی منت ماننا اور غیر ضروری عبادت کو لازم کرلینا یہ نذر عبادت ہے اس لئے خدا کے سوا کسی بندے کے لئے نہیں ہوسکتی اگر کوئی کسی بندے کی نذر مانتا ہے تو مشرک ہے کیونکہ غیر خدا کی عبادت شرک ہے

چونکہ عبادت میں شرط یہ ہے کہ معبود کو الٰہ یعنی خدا یا خدا کے برابر مانا جائے، اس لئے اس نذر میں بھی یہی قید ہوگی کہ کسی کو خدا یا خدا کے برابر مان کر نذر مانی جائے، اگر ناذر کا یہ عقیدہ نہیں ہے بلکہ جس کی نذر مانی اسے محض بندہ سمجھتا ہے تو وہ شرعی نذر نہیں اسی لئے فقہا نے اس نذر میں تقرب کی قید لگائی۔ تقرب کے معنی عبادت ہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ اگر کوئی کسی بندے کے نام پر شرعی نذر کرے یعنی اس کی

الوہیت کا قائل ہو کر اس کی منت مانے تو اگرچہ یہ شخص مشرک ہوگا اور اس کا یہ کام حرام ہوگا مگر وہ چیز حلال رہے گی اس چیز کو حرام جاننا سخت غلطی ہے اور قرآن کریم کے خلاف۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِیْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (پ۷،المآئدۃ:۱۰۳)

نہیں بنایا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام یہ مشرکین اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں۔

کفار عرب ان چار قسم کے جانور وصیلہ حام وغیرہ کو اپنے بتوں کے نام کی نذر کرتے تھے اور انہیں کھانا حرام جانتے تھے۔ رب تعالیٰ نے ان کی تردید فرمادی اور فرمایا کہ یہ حلال ہیں جیسے آج کل ہندوؤں کے چھوڑے ہوئے سانڈھ حلال ہیں۔ اللہ کے نام پر ذبح کرو اور کھاؤ۔

﴿۲﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا (پ۸،الانعام:۱۳۶)

اور ٹھہرایا ان کافروں نے اللہ کا اس کھیتی اور جانوروں میں ایک حصہ پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا حصہ ہے اپنے خیال پر اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے۔

﴿۳﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا یَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ (پ۸،الانعام:۱۳۸)

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ جانور اور کھیتی منع ہے اسے نہ کھائے مگر وہ جسے ہم چاہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کفار عرب اپنے جانوروں کھیتوں میں بتوں کی نذر

مان لیتے تھے اور کچھ حصہ بتوں کے نام پر نامزد کر دیتے تھے پھر انہیں کھانا یا تو بالکل حرام جانتے تھے جیسے بحیرہ، سائبہ جانور اور یا ان کے کھانے میں پابندی لگاتے تھے کہ مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں فلاں کھائے فلاں نہ کھائے۔ان دونوں حرکتوں کی رب نے تردید ان آیات میں فرمادی:

﴿۱﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ (پ ١٤، النحل: ١١٦)

اور نہ کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بتانے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔

﴿۲﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا (پ ١١، یونس: ٥٩)

فرماؤ کہ بھلا دیکھو تو جو اللہ نے تمہارا رزق اتارا تم نے اس میں کچھ حلال بنایا کچھ حرام۔

﴿۳﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (پ٨، الاعراف: ٣٢)

فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی اور ستھرا رزق۔

﴿٤﴾ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ (پ٨، الانعام: ١٤٠)

ان کافروں نے حرام سمجھ لیا اسے جو اللہ نے انہیں رزق دیا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے۔

﴿٥﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (پ ٢، البقرة: ١٧٢)

اے مسلمانو! کھاؤ وہ ستھری چیزیں جو ہم تمہیں رزق دیں اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔

﴿٦﴾وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (پ۸،الانعام:۱۱۸)

اور تمہارا کیا حال ہے کہ نہیں کھاتے اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا۔

﴿٨﴾اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (پ۲،البقرة:۱۷۳)

اللہ نے صرف مردار کو اور خون کو اور سور کے گوشت کو اور اس جانور کو جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے تم پر حرام فرمایا۔

﴿٩﴾قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ (پ۸،الانعام:۱٤۰)

بے شک نقصان میں رہے وہ جنہوں نے اپنی اولاد کو نادانی اور جہالت سے قتل کر ڈالا اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو حرام کر لیا اللہ پر تہمت لگاتے ہوئے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار عرب کے اس عقیدے کی پرزور تردید فرمائی کہ جس جانور اور جس کھیتی وغیرہ کو بت کے نام پر لگا دیا جاوے وہ حرام ہو جاتا ہے۔ فرمایا: تم اللہ پر تہمت لگاتے ہو اللہ نے یہ چیزیں حرام نہ کیں تم کیوں حرام جانتے ہو، جس سے معلوم ہوا کہ بتوں کے نام کی نذر ماننا شرک تھا اور ان کا یہ فعل سخت جرم تھا مگر اس چیز کو حلال ٹھہرایا اس کے حرام جاننے پر عتاب کیا، اسے حلال رزق اور طیب روزی فرمایا۔ ان بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانوروں کے متعلق حکم فرمایا کہ اللہ کے نام پر ذبح کرو اور کھاؤ کافروں کی باتوں میں نہ آؤ۔ ایسے ہی آج بھی جس چیز کو غیر خدا کے نام پر شرعی طور پر نذر کر دیا جائے وہ بھی حلال طیب ہے اگرچہ یہ نذر شرک ہے۔

نذر کے تیسرے معنی عرفی ہیں یعنی کسی بزرگ کو کوئی چیز ہدیہ، نذرانہ، تحفہ پیش کرنا یا پیش کرنے کی نیت کرنا کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو حضور غوث پاک رضی اللہ

تعالٰی عنہ کے نام کی دیگ پکاؤں گا یعنی دیگ بھر کھانا خیرات کروں گا اللہ کے لئے اور ثواب اس کا سرکار بغداد کی روح شریف کو نذرانہ کروں گا یہ بالکل جائز ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے ایسی نذریں بارگاہ رسالت میں مانی اور پیش کی ہیں اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبول فرمائی ہیں نہ یہ کام حرام نہ چیز حرام۔ اسی کو عوام کی اصطلاح میں نیاز کہتے ہیں بمعنی نذرانہ۔ اس کا قرآن شریف میں بھی ثبوت ہے اور احادیث صحیحہ میں بھی۔ رب تعالٰی فرماتا ہے:

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ	کچھ گاؤں والے وہ ہیں جو اللہ اور قیامت پر
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ	ایمان لاتے ہیں اور جو خرچ کریں اسے اللہ
قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ	کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا
اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ	ذریعہ سمجھتے ہیں یقیناً ان کیلئے باعث قرب
فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝	ہے اللہ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل کریگا۔
(پ ۱۱، التوبۃ: ۹۹)	بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت میں بتایا کہ مؤمنین اپنے صدقہ میں دو نیتیں کرتے ہیں۔ ایک اللہ کی نزدیکی اور اس کی عبادت، دوسرے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں لینا اور خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خوش ہونا۔ یہ ہی فاتحہ بزرگان دینے والے، ان کی نذر ماننے والے کا مقصد ہوتا ہے کہ خیرات اللہ کے لئے ہو اور ثواب اس بزرگ کے لئے تاکہ ان کی روح خوش ہو کر ہمیں دعا کرے۔

اسی لئے عوام کہتے ہیں، نذر اللہ، نیاز حسین، اس میں کوئی قباحت نہیں۔ جب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم ایک غزوہ سے بخیریت واپس تشریف لائے تو ایک لڑکی نے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّی کُنْتُ نَذَرْتُ اِنْ رَدَّكَ اللّٰهُ صَالِحًا اَنْ اَضْرِبَ بَیْنَ یَدَیْكَ بِالدُّفِ وَاَتَغَنّٰی بِهٖ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْ کُنْتِ نَذَرْتِ فَاضْرِبِیْ وَاِلَّا فَلَا . (مشکوۃ باب مناقب عمر)

(مشکاة المصابیح، کتاب المناقب، باب مناقب عمر رضی اللّٰه عنه، الحدیث ٦٠٤٨، المجلدالثانی، ص ٤١٩، دارالکتب العلمیة بیروت)

حضور میں نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ عزوجل آپ کو بخیریت واپس لائے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں اور گاؤں، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اگر تم نے نذر مانی ہے تو بجاؤ ورنہ نہیں۔

اس حدیث میں لفظ نذر اسی نذرانہ کے معنی میں ہے نہ کہ شرعی نذر کیونکہ گانا بجانا عبادت نہیں صرف اپنے سرور وخوشی کا نذرانہ پیش کرنا مقصود تھا جو سرکار میں قبول فرمایا گیا۔ یہ عرفی نذر ہے جو ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مانتی ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کے پورے کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

اسی مشکوۃ کے حاشیہ میں بحوالہ ملا علی قاری ہے وان کان السرور بمقدمہ الشریف نفسه قربة .(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب مناقب والفضائل، باب مناقب عمر رضی اللّٰه عنه، تحت الحدیث ٦٠٤٨، ج ١٠، ص ٤٠٣، دارالفکر بیروت)

''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری پر خوشی منانا عبادت ہے۔''

غرضکہ اس قسم کی عرفی نذریں عوام وخواص میں عام طور پر مروج ہیں۔ استاد، ماں، باپ، شیخ سے عرض کرتے ہیں کہ یہ نقدی آپ کی نذر ہے اسے شرک کہنا انتہا درجہ کی بیوقوفی ہے۔

خاتم النبیین

لفظ خاتم ختم سے بنا ہے جس کے لغوی معنی ہیں مہر لگانا۔ اصطلاح میں اس کے معنی ہیں تمام کرنا، ختم کرنا، بند کرنا، کیونکہ مہر یا تو مضمون کے آخر پر لگتی ہے جس سے مضمون بند ہوجاتا ہے یا پارسل بند ہونے پر لگتی ہے جب نہ کوئی شے اس میں داخل ہوسکے نہ اس سے خارج، اسی لئے تمام ہونے کو ختم کہا جاتا ہے قرآن شریف میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿۱﴾ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ (پ ۱، البقرۃ: ۷)

اللہ تعالیٰ نے ان کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی۔

﴿۲﴾ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۝ (پ ۲۳، یٰسۤ: ۶۵)

آج ہم ان کے منہ پر مہر لگادیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے۔

﴿۳﴾ فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ (پ ۲۵، الشوریٰ: ۲۴)

تو اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر رحمت وحفاظت کی مہر لگادے۔

﴿۴﴾ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ۝ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ (پ ۳۰، المطففین: ۲۵)

تمہاری شراب پلائے جائیں گے جو مہر کی ہوئی ہے اس کی مہر مشک پر ہے۔

ان جیسی تمام آیتوں میں ختم بمعنی مہر استعمال فرمایا گیا ہے کہ جب کفار کے دل وکان پر مہر لگ گئی تو نہ باہر سے وہاں ایمان داخل ہو نہ وہاں سے کفر باہر نکلے یوں ہی جنت میں شَرَابًا طَهُوْرًا ایسے برتنوں سے پلائی جائے گی جن پر حفاظت کے لئے

مہر ہے تاکہ کوئی توڑ کرنہ باہر سے کوئی آمیزش کر سکے نہ اندر سے کچھ نکال سکے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (پ ۲۲، الاحزاب: ٤٠)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔

اس جگہ خاتم عرفی معنی میں استعمال ہوا یعنی آخری اور پچھلا۔ لہٰذا اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت ملنا ناممکن ہے۔ اس معنی کی تائید حسب ذیل آیات سے ہوتی ہے اور ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔

﴿۱﴾ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (پ ٦، المآئدة: ٣)

آج میں نے تمہارے لئے دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔

﴿۲﴾ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (پ ۳، اٰل عمرٰن: ۸۱)

پھر تشریف لائیں تمہارے پاس وہ رسول جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کریں تو تم سب نبی ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

﴿۳﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (پ ٤، اٰل عمرٰن: ١٤٤)

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) رسول ہی ہیں ان سے پہلے سارے رسول گزر چکے۔

﴿٤﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ۭبِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ (پ ٥، النساء: ٤١)

تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ ونگہبان لائیں گے۔

ان آیتوں سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ایک یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دین مکمل ہے اور دین کے مکمل ہو چکنے کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں۔دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام نبیوں کی تصدیق کرتے ہیں کسی نبی کی بشارت یا خوشخبری نہیں دیتے اور پچھلے نبی کی تصدیق ہوتی ہے آئندہ کی بشارت اگر آپ کے بعد کوئی اور نبی ہوتا تو اس کے بشیر بھی ہوتے۔تیسرے یہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سارے پیغمبروں اور ان کی امتوں پر گواہ ہیں لیکن کوئی نبی حضور کا گواہ یا حضور کی امت کا گواہ نہیں جس سے معلوم ہوا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ چوتھے یہ کہ سارے نبی آپ سے پہلے گزر چکے کوئی باقی نہیں رہا۔

اعتراض: خاتم النبیین کے معنی ہیں نبیوں سے افضل جیسے کہا کرتے ہیں فلاں شخص خَاتَمُ الشُّعَرَآءِ یا خَاتَمُ الْمُحَدِّثِیْنَ ہے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ شاعروں یا محدثوں میں آخری شاعر یا آخری محدث ہے بلکہ محدثوں میں افضل ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: "اَنْتَ خَاتَمُ الْمُهَاجِرِيْنَ" (فضائل الصحابة لابن حنبل،باب فضائل ابی الفضل العباس بن عبدالمطلب، الحدیث ١٨١٢، ج ٢،ص ٩٤١،مؤسسة الرسالة بيروت) "تم مہاجرین میں خاتم یعنی افضل ہو۔" نہ یہ معنی کہ آخری مہاجر ہو کیونکہ ہجرت تو قیامت تک جاری رہے گی لہٰذا آپ کے بعد نبی آسکتے ہیں، ہاں آپ سب سے افضل ہیں اور خاتم النبیین کے معنی یہی ہیں۔

جواب: خاتم ختم سے بنا ہے جس کے معنی افضل نہیں ورنہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ (پ ۱،البقرۃ:۷) کے معنی یہ ہوتے کہ اللہ نے کافروں کے دل افضل کردیئے۔ جب ختم میں افضلیت کے معنی نہیں تو خاتم میں جو اس سے مشتق ہے یہ معنی کہاں سے آ گئے لوگوں کا کسی کو خاتم الشعراء کہنا مبالغہ ہوتا ہے گویا اب اس شان کا شاعر نہ آوے گا کہا کرتے ہیں فلاں پر شعر گوئی ختم ہوگئی۔ رب تعالیٰ کا کلام مبالغہ اور جھوٹ سے پاک ہے، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان مہاجرین میں جنہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی آخری مہاجر ہیں کیونکہ ان کی ہجرت فتح مکہ کے دن ہوئی جس کے بعد یہ ہجرت بند ہوگئی لہٰذا وہاں بھی خاتم آخر کے معنی میں ہے۔

سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْيَوْمِ آج کے بعد اب مکہ سے ہجرت نہ ہوگی، اگر وہاں خاتم کے معنی افضل ہوں تو لازم آئے گا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بھی افضل ہوجاویں کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم بھی مہاجر ہیں۔

اعتراض: اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کیوں آپ کے بعد آویں گے۔ آخری نبی کے بعد کوئی نبی نہ چاہیے؟

جواب: آخری نبی کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے زمانہ یا آپ کے بعد کوئی نبی باقی نہ رہے۔ آخری اولاد کے معنی یہ ہیں کہ پھر کوئی بچہ پیدا نہ ہو، نہ یہ کہ پچھلے سب مرجاویں نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا اب نبوت کی حیثیت سے نہ ہوگا بلکہ حضور کے امتی کی حیثیت سے یعنی وہ اپنے وقت کے نبی ہیں اور اس وقت کے امتی۔

جیسے کوئی جج دوسرے جج کی کچہری میں گواہی دینے کے لئے جاوے تو وہ اگرچہ اپنے علاقہ میں جج ہے مگر اس علاقہ میں گواہ عیسیٰ علیہ السلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علاقہ میں ان کے دین کی نصرت و مدد کرنے تشریف لاویں گے۔

نوٹ ضروری: جب ختم بمعنی مہر ہوتا ہے تو اس کے بعد علیٰ ضرور ہوتا ہے خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ جیسے کہ ہماری پیش کردہ آیات سے ظاہر ہے اور جب ختم بمعنی آخر ہونا یا تمام کرنا ہوگا تو علیٰ کی ضرورت نہیں خاتم النبین میں علی نہ ظاہر ہے نہ پوشیدہ لہذا یہاں آخری نبی مراد ہیں۔

نوٹ ضروری: خاتم النبیین کے معنی ''آخری نبی'' خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائے اور اس پر امت کا اجماع رہا اب آخری زمانہ میں مولوی محمد قاسم دیوبندی اور مرزا غلام احمد قادیانی نے اس کے نئے معنے ایجاد کئے یعنی اصلی نبی، افضل نبی اور ان اجماعی معنی کا انکار کیا اسی لئے ان دونوں پر عرب وعجم کے علماء نے فتویٰ کفر دیا اور جیسے قرآن مجید کے الفاظ کا انکار کفر ہے ویسے ہی اس کے اجماعی معنی کا انکار بھی کفر ہے اگر کوئی کہے کہ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (پ ۱،البقرۃ:۴۳) پر میرا ایمان ہے یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے ہیں مگر صلوٰۃ کے معنی نماز نہیں بلکہ اس کے معنے دعا ہیں۔ ہاں نماز بھی اس معنی میں داخل ہے اور زکوٰۃ کے معنی صدقہ واجبہ نہیں بلکہ اس کے معنی پاکی ہے ہاں صدقہ وخیرات بھی اس میں داخل ہے تو وہ کافر ہے کیونکہ اگرچہ وہ قرآن کے لفظوں کا انکار نہیں کرتا مگر متواتر معنی کا انکار کرتا ہے اس صورت میں خواہ نماز کو فرض ہی مانے مگر جب قرآن میں الصلوٰۃ کے معنی نماز نہیں کرتا تو وہ کافر ہے۔

نیز نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سارے صفات کو ماننا ایمان کے لئے

ضروری ہے جیسے کہ حضور نبی ہیں، رسول ہیں، شفیع المذنبین ہیں اور رحمت للعالمین ہیں ایسے ہی آپ خاتم النبیین بمعنی آخری نبی ہیں جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا ماننا ضروری ہے اور نبوت کے وہی معنی ہیں جو مسلمان مانتے ہیں ایسے ہی آپ کو خاتم النبیّین اسی معنی سے ماننا ضروری ہے جو مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ نیز جیسے لا الہ الا اللہ میں الٰہ نکرہ ہے نفی کے بعد تو معنی یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی طرح کا کوئی معبود نہیں، نہ اصلی نہ ظلی، نہ بروزی نہ مراتی نہ مذاتی۔ ایسے ہی "لا نبی بعدی" میں نبی نکرہ نفی کے بعد ہے جس کے معنی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی طرح کا نبی اصلی، نقلی، بروزی وغیرہ آنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا دوسرا الٰہ ہونا، جو کوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا امکان بھی مانے، وہ بھی کافر ہے لہٰذا دیوبندی اور قادیانی اس ختم نبوت کے انکار کی وجہ سے دونوں مرتد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا (پ ۱، البقرۃ: ۱۳۷) اے صحابیو! اگر ایسا ایمان لائیں جیسا تمہارا ایمان ہے تو ہدایت پا جائینگے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ مانا لہٰذا نبی ماننا گمراہی ہے۔

دوسرا باب

قواعد قرآنیہ

پہلے باب میں معلوم ہو چکا کہ قرآن شریف میں ایک لفظ چند معنی میں آتا ہے، ہر مقام پر لفظ کے وہی معنی کرنا چاہئیں جو اس جگہ مناسب ہوں۔ اب ہم وہ قاعدے بیان کرتے ہیں جن سے معلوم ہو جائے کہ لفظ کے معنے معلوم کرنے کے

قاعدے کیا ہیں؟ کیسے معلوم کریں کہ یہاں فلاں معنی ہیں۔ ان قواعد کو بغور مطالعہ کرو تاکہ ترجمہ قرآن میں غلطی واقع نہ ہو۔

قاعدہ نمبر ۱

الف: جب وحی کی نسبت نبی کی طرف ہوگی تو اسکے معنی ہوں گے رب تعالیٰ کا بذریعہ فرشتہ پیغمبر سے کلام فرمانا یعنی وحی الٰہی عرفی۔

ب: جب وحی کی نسبت غیر نبی کی طرف ہو تو اس سے مراد ہوگا دل میں ڈالنا، خیال پیدا کر دینا۔ الف کی مثال ان آیات میں ہے:

﴿۱﴾ اِنَّـآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْکَ کَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ (پ ٦، النسآء: ١٦٣)
بے شک ہم نے وحی کی تمہاری طرف جیسے وحی کی تھی نوح اور ان کے بعد والے پیغمبروں کی طرف۔

﴿۲﴾ وَ اُوْحِیَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِکَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (پ ١٢، ھود: ٣٦)
اور وحی کی گئی نوح کی طرف کہ اب ایمان نہ لائیگا مگر وہ جو ایمان لا چکے۔

ان جیسی صدہا آیتوں میں وحی سے مراد ہے وحی ربانی جو پیغمبروں پر آتی ہے۔

''ب'' کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾ وَاَوْحٰى رَبُّکَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ (پ ١٤، النحل: ٦٨)
اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں اور چھتوں میں۔

﴿۲﴾وَاِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ لَیُوۡحُوۡنَ اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓـئِہِمۡ (پ۸،الانعام:۱۲۱)

اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔

﴿۳﴾وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی اَنۡ اَرۡضِعِیۡہِ (پ۲۰،القصص:۷)

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں ڈال دیا کہ انہیں دودھ پلاؤ۔

ان آیتوں میں چونکہ وحی کی نسبت شہد کی مکھی یا موسیٰ علیہ السلام کی ماں یا شیطان کی طرف ہے اور یہ سب نبی نہیں اس لئے یہاں وحی نبوت مراد نہ ہوگی بلکہ فقط دل میں ڈال دینا مراد ہوگا کبھی وحی اس کلام کو بھی کہا جاتا ہے جو نبی سے بلا واسطہ فرشتہ ہو۔جیسے اس آیت میں ہے۔

فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی ۚ o فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی o (پ۲۷،النجم:۹۔۱۰)

پس ہوگئے وہ محبوب دو کمانوں کے فاصلہ پر اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی کی۔

معراج کی رات قرب خاص کے موقعہ پر جب فرشتہ کا واسطہ نہ رہا تھا جو رب تعالیٰ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہم کلامی ہوئی اسے وحی فرمایا گیا۔

قاعدہ نمبر ۲

الف: جب ''عبد'' کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد مخلوق عابد یا بندہ ہوتا ہے۔

ب: جب ''عبد'' کی نسبت بندے کی طرف ہو تو اس کے معنی خادم نوکر ہوں گے۔

''الف'' کی مثال ان آیات میں ہے:

﴿۱﴾ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا (پ۱۵،بنیٓ اسرآءیل:۱)

پاک ہے وہ جو اپنے بندہ خاص کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔

﴿۲﴾ وَاذۡکُرۡ عَبۡدَنَاۤ اَیُّوۡبَ (پ۲۳،ص:۴۱)

اور یاد کرو ہمارے بندہ ایوب کو۔

﴿۳﴾ اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ (پ۱۵،بنیٓ اسرآءیل:۶۵)

میرے خاص بندوں پر اے ابلیس تیرا غلبہ نہ ہوگا۔

ان تمام آیتوں میں چونکہ عبد کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف ہے اس لئے یہاں ''عبد'' کے معنی بندۂ عابد ہوں گے۔

''ب'' کی مثال ان آیات میں ہے:

﴿۱﴾ وَاَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَالصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَاِمَآئِکُمۡ (پ۱۸،النور:۳۲)

اور نکاح کردو ان میں سے ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق غلاموں اور لونڈیوں کا۔

﴿۲﴾ قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ (پ۲۴،الزمر:۵۳)

فرمادو کہ اے میرے وہ غلامو جنہوں نے زیادتی کی اپنی جانوں پر مت ناامید ہو اللہ کی رحمت سے

ان آیتوں میں چونکہ ''عبد'' کی نسبت بندوں کی طرف ہے اس لئے اس کے معنی مخلوق نہ ہوں گے بلکہ خادم، غلام ہوں گے لہٰذا عبد النبی اور عبد الرسول کے معنی ہیں نبی کا خادم۔

قاعدہ نمبر ۳

الف: جب رب کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اس سے مراد ہے حقیقی پالنے والا یعنی اللہ تعالیٰ۔

ب: جب کسی بندے کو رب کہا جاوے تو اس کے معنی ہوں گے مربی، محسن، پرورش کرنے والا۔

''الف'' کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ o (پ ۱، الفاتحۃ: ۱) — ساری حمدیں اللہ کے لئے ہیں جو جہان کا رب ہے۔

﴿۲﴾ رَبَّکُمۡ وَرَبَّ اٰبَآئِکُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ o (پ ۲۳، الصّٰفّٰت: ۱۲۶) — وہ اللہ تمہارا اور تمہارے پچھلے باپ دادوں کا رب ہے۔

﴿۳﴾ قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ o مَلِکِ النَّاسِ o (پ ۳۰، الناس: ۱، ۲) — فرمادو میں پناہ لیتا ہوں انسانوں کے رب کی۔

ان آیات میں چونکہ اللہ تعالیٰ کو رب کہا گیا لہٰذا اس سے مراد حقیقی پالنے والا ہے۔

''ب'' کی مثال ان آیتوں میں ہے:

﴿۱﴾ اِرۡجِعۡ اِلٰی رَبِّکَ فَسۡـَٔلۡہُ مَا بَالُ النِّسۡوَۃِ الّٰتِیۡ قَطَّعۡنَ اَیۡدِیَہُنَّ (پ ۱۲، یوسف: ۵۰) — اپنے مربی (بادشاہ) کی طرف لوٹ جا پھر اس سے پوچھ کہ کیا حال ہے ان عورتوں کا جنہوں نے ہاتھ کاٹے تھے۔

﴿۲﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ اِنَّہٗ رَبِّیۡۤ اَحۡسَنَ مَثۡوَایَ (پ ۱۲، یوسف: ۲۳) — فرمایا یوسف نے اللہ کی پناہ وہ بادشاہ میرا رب ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔

ان آیتوں میں چونکہ بندوں کو رب کہا گیا ہے اس لئے اس کے معنے مربی اور پرورش کرنے والا ہیں۔

قاعدہ نمبر ۴

الف: جب ''ضلال'' کی نسبت غیر نبی کی طرف ہو تو اس کے معنی گمراہ ہوں گے۔

ب: جب ''ضلال'' کی نسبت نبی کی طرف ہو تو اس کے معنی وارفتہ محبت یا راہ سے ناواقف ہوں گے۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ **مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَا ہَادِیَ لَہٗ** (پ۹،الاعراف:۱۸۶) جسے خدا گمراہ کرے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔

﴿۲﴾ **غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ** O (پ۱،الفاتحۃ:۷) ان کا راستہ نہ چلا جن پر غضب ہوا نہ گمراہوں کا۔

﴿۳﴾ **وَمَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرۡشِدًا** O (پ۱۵،الکھف:۱۷) جسے رب گمراہ کردے تم اس کیلئے ہادی رہبر نہ پاؤ گے۔

ان جیسی تمام آیتوں میں چونکہ ضلال کا تعلق نبی سے نہیں غیر نبی سے ہے تو اس کے معنی ہیں گمراہی خواہ کفر ہو یا شرک یا کوئی اور گمراہی سب اس میں داخل ہوں گے۔

''ب'' کی مثالیں:

﴿۱﴾ **وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَہَدٰی** O (پ۳۰،الضحی:۷) اے محبوب رب نے تمہیں اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو اپنی راہ دے دی۔

﴿۲﴾قَالُوْا تَاللّٰہِ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ ○ (پ۱۳،یوسف:۹۵)
وہ فرزندان یعقوب بولے کہ خدا کی قسم تم تو اپنی پرانی خود رفتگی میں ہو۔

﴿۳﴾قَالَ فَعَلْتُھَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ ○(پ۱۹،الشعرآء:۲۰)
فرمایا موسیٰ نے کہ میں نے قبطی کو مارنے کا کام جب کیا تھا جب مجھے راہ کی خبر نہ تھی۔

یعنی نہ جانتا تھا کہ گھونسہ مارنے سے قبطی مرجائے گا۔ان جیسی تمام آیتوں میں ''ضلال'' کے معنی گمراہی نہیں ہوسکتے کیونکہ نبی ایک آن کے لئے گمراہ نہیں ہوتے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی ○ (پ۲۷،النجم:۲)
تمہارے صاحب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔

﴿۲﴾لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَۃٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (پ۸،الاعراف:۶۱)
حضرت شعیب نے فرمایا کہ مجھ میں گمراہی نہیں لیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ نبی گمراہ نہیں ہوسکتے۔آیت ۲ میں ''لکن'' بتارہا ہے کہ نبوت اور گمراہی جمع نہیں ہوسکتی۔

قاعدہ نمبر ۵

الف: ''مکر'' یا ''خداع'' کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنے دھوکہ یا فریب نہ ہوں گے کیونکہ یہ عیب ہیں بلکہ اس کے معنی ہوں گے دھوکے کی سزا دینا یا خفیہ تدبیر کرنا۔

ب: جب اس کی نسبت بندوں کی طرف ہو تو مکر کے معنی دھوکہ، مکاری، دغا بازی اور خداع کے معنی فریب ہوں گے۔ ان دونوں کی مثالیں یہ ہیں۔

﴿۱﴾ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ (پ ۵، النسآء: ۱۴۲) — وہ اللہ کو دھوکا دیا چاہتے ہیں اور رب انہیں سزا دے گا یا رب ان پر خفیہ تدبیر فرمائے گا۔

﴿۲﴾ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ (پ ۱، البقرۃ: ۹) — منافقین دھوکہ دیا چاہتے ہیں اللہ کو اور مسلمانوں کو اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنی جانوں کو۔

﴿۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ۝ (پ ۳، ال عمرٰن: ۵۴) — اور منافقوں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے خلاف خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ تمام تدبیریں کرنے والوں میں بہتر ہے۔

ان تمام آیتوں میں جہاں مکر یا خداع کا فاعل کفار ہیں۔ اس سے مراد دھوکا فریب ہے اور جہاں اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے وہاں مراد یا تو مکر کی سزا ہے یا خفیہ تدبیر۔

قاعدہ نمبر ۶

الف: جب "تقویٰ" کی نسبت رب کی طرف ہو تو اس سے مراد ڈرنا ہوگا۔

ب: جب "تقویٰ" کی نسبت آگ یا کفر یا گناہ کی طرف ہو تو اس سے مراد بچنا ہوگا۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ (پ ۴، النسآء: ۱) — اے لوگو! ڈرو اپنے اس رب سے جس نے تمہیں پیدا کیا۔

﴿۲﴾ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ (پ۱،البقرة:۲٤) اور بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

پہلے ''اِتَّقُوۡا'' کے معنی ڈرنا ہے کیونکہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور دوسرے ''اِتَّقُوۡا'' کے معنی بچنا ہے کیونکہ اس کے بعد آگ کا ذکر ہے۔

قاعدہ نمبر ۷

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ

الف: جب ''مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ'' عبادت کے ساتھ آوے تو اس کے معنی ہوں گے اللہ کے سواء۔

ب: جب ''مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ'' مدد، نصرت، ولایت، دعا بمعنی پکارنا کے ساتھ آوے۔ تو اس کے معنی ہوں گے اللہ کے مقابل یعنی اللہ کے سواء وہ لوگ جو اللہ کے مقابل ہیں۔ ''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ اِنَّکُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (پ۱۷،الانبیآء:۹۸) تم اور وہ چیزیں جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو دوزخ کا ایندھن ہیں۔

﴿۲﴾ وَمَنۡ یَّدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـهًا اٰخَرَ (پ۱۸،المؤمنون:۱۱۷) اور جو کوئی اللہ کے سوا دوسرے معبود کو پوجے۔

﴿۳﴾ وَاَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًاۙ (پ۲۹،الجن:۱۸) بے شک مسجدیں اللہ کی ہیں تو تم خدا کے ساتھ کسی کو نہ پوجو۔

ان جیسی تمام آیتوں میں "مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" کے معنی اللہ کے سوا ہیں کیونکہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔ "ب" کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ۝ (پ ۱، البقرۃ: ۱۰۷)
اور تمہارا اللہ کے مقابل نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔

﴿۲﴾ اَمْ لَھُمْ اٰلِھَۃٌ تَمْنَعُھُمْ مِّنْ دُوْنِنَا (پ ۱۷، الانبیآء: ۴۳)
کیا ان کے پاس ایسے معبود ہیں جو ہمارے مقابل انہیں بچالیں۔

﴿۳﴾ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ۝ (پ ۱۵، بنیٓ اسرآءِیل: ۲)
میرے مقابل کسی کو وکیل نہ بناؤ۔

﴿۴﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ (پ ۲۴، الزمر: ۴۳)
بلکہ بنالئے انہوں نے اللہ کے مقابل حمایتی۔

ان جیسی تمام آیتوں میں "مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" سے مراد اللہ کے مقابل ہوگا یعنی اللہ کے مقابل تمہارا کوئی مددگار، ناصر، سفارشی، وکیل نہیں جو رب سے مقابلہ کرکے تمہیں اس کے عذاب سے بچالے۔ اگر ان آیات میں اس کے معنی اللہ کے سوا کئے گئے یعنی خدا کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں تو ان آیتوں سے تعارض ہوگا جن میں بندوں کو مددگار بتایا گیا ہے جیسا کہ پہلے باب میں گزر چکا۔ اس معنی کی تائید ان آیتوں سے ہو رہی ہے:

﴿۱﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُکُمْ مِّنَ اللّٰہِ اِنْ اَرَادَ بِکُمْ سُوْٓءًا (پ ۲۱، الاحزاب: ۱۷)
وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچالے اگر وہ تمہاری برائی چاہے۔

﴿۲﴾وَاِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ (پ۴،اٰل عمرٰن:۱۶۰) — اور اگر تمہیں رب رسوا کرے تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے۔

ان آیتوں نے بتایا کہ کوئی بندہ رب کے خلاف ہو کر اس کے مقابل رب سے کسی کو نہ بچا سکے نہ کسی کی مدد کر سکے ہاں اس کے ارادے، اس کے اذن سے بندے ولی بھی ہیں، شفیع بھی ہیں، مددگار بھی ہیں، وکیل بھی ہیں۔

قاعدہ نمبر ۸

الف: جب ''ولی'' رب کے مقابل آوے تو اس سے مراد معبود یا مالک حقیقی ہے اور ایسا ولی اختیار کرنا شرک و کفر ہے۔

ب: جب ''ولی'' رب کے مقابل نہ ہو تو اس سے مراد دوست یا مددگار، وغیرہ ہیں۔ ''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَ (پ۱۶،الکہف:۱۰۲) — کیا کافروں نے سمجھ رکھا ہے کہ میرے بندوں کو میرے سوا معبود بنائیں۔

﴿۲﴾مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا (پ۲۰،العنکبوت:۴۱) — ان کی مثال جنہوں نے خدا کے سوا کوئی معبود بنالیا مکڑی کی طرح ہے جس نے گھر بنایا۔

﴿۳﴾وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ (پ۲۳،الزمر:۳) — اور وہ جنہوں نے اللہ کے سوا کوئی معبود بنالئے۔

ان جیسی آیتوں میں ولی بمعنی معبود ہے یا مالک حقیقی۔ ''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَهُمْ رٰکِعُوْنَ ○ (پ ٦، المآئدۃ: ٥٥)

تمہارا دوست یا مددگار اللہ اور اس کا رسول اور وہ مومن ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور رکوع کرتے ہیں۔

﴿۲﴾ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا ۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا ○ (پ ٥، النسآء: ٧٥)

پس ہمارے لئے اپنی طرف سے ولی بنادے اور ہمارے لئے اپنی طرف سے مددگار مقرر فرمادے۔

ان جیسی آیات میں ''ولی'' سے مراد معبود نہیں، بلکہ دوست یا مددگار وغیرہ مراد ہیں کیونکہ یہاں رب کے مقابل ولی نہیں فرمایا گیا ہے اس کی پوری تحقیق پہلے باب میں ''ولی'' کے بیان میں گزر چکی ہے۔

قاعدہ نمبر ۹

الف: جب ''دعا'' کے بعد دشمنِ خدا کا ذکر ہو یا دعا کا فاعل کافر ہو یا دعا پر رب تعالیٰ کی ناراضگی کا اظہار ہو یا دعا کرنے والوں کو رب تعالیٰ نے کافر، مشرک، گمراہ فرمایا ہو تو دعا سے مراد عبادت، پوجنا وغیرہ ہوگا نہ کہ محض پکارنا یا بلانا۔

ب: جب ''دعا'' کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو وہاں اس کے معنی پکارنا، پوجنا، دعا مانگنا ہوگا حسب موقع معنی کئے جائیں گے۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (پ۲۶،الاحقاف:۵)
اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو خدا کے سوا ایسوں کو پوجے جو اس کی قیامت تک نہ سنیں۔

﴿۲﴾ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًاۙ (پ۲۹،الجن:۱۸)
بے شک مسجدیں اللہ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پوجو۔

﴿۳﴾ هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ (پ۲۴،المؤمن:۶۵)
وہ ہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں بس اسے پوجو۔

ان جیسی تمام آیات میں ''دعا'' کے معنی پوجنا ہیں پکارنا یا بلانا نہیں۔معنی یہ ہوں گے کہ خدا کے سوا کسی کو نہ پوجو۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی کو نہ پکارو یا نہ بلاؤ۔

''ب'' کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (پ۸،الاعراف:۵۵)
اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی سے پوشیدہ۔

﴿۲﴾ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (پ۲،البقرۃ:۱۸۶)
دعا کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا مانگتے ہیں۔

ان جیسی آیات میں دعا سے مراد دعا مانگنا بھی ہوسکتا ہے اور پوجنا بھی، پکارنا بھی، ایک ہی لفظ مختلف موقعوں پر مختلف معانی میں ہوتا ہے اگر بے موقع معنی کئے جاویں تو کبھی کفر لازم آجاتا ہے اس کی تحقیق پہلے باب میں دعا کے بیان میں گزر چکی۔

قاعدہ نمبر ۱۰

الف: جب ''شرک'' کا مقابلہ ایمان سے ہوگا تو شرک سے مراد ہر کفر ہوگا۔

ب: جب ''شرک'' کا مقابلہ اعمال سے ہوگا تو شرک سے مراد مشرکوں کا سا کام ہوگا نہ کہ کفر۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَیۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِکٍ (پ۲، البقرۃ: ۲۲۱) مومن غلام مشرک یعنی کافر سے بہتر ہے۔

﴿۲﴾ وَلَا تُنۡکِحُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ حَتّٰی یُؤۡمِنُوۡا (پ۲، البقرۃ: ۲۲۱) مشرک یعنی کسی کافر سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

﴿۳﴾ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَیَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ (پ۵، النسآء: ۴۸) بے شک اللہ مشرک کو نہ بخشے گا اس کے سوا جسے چاہے بخش دے گا۔

ان تمام آیتوں میں شرک سے مراد کفر ہے کیوں کہ مومنہ کا کسی کافر مرد سے نکاح جائز نہیں۔ کوئی کفر جس پر انسان مرجاوے بخشا نہ جاوے گا۔ مومن ہر کافر سے بہتر ہے۔ اگر یہاں شرک کے معنی صرف بت پرستی کیا جاوے تو غلط ہوگا۔

''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۙ (پ۲۱، الروم: ۳۱) نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔

اس آیت میں اور اس حدیث میں مَنۡ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدۡ كَفَرَ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی وہ کافر ہوگیا۔ یہ ہی مراد ہے کہ نماز نہ پڑھنا مشرکوں، کافروں کا سا کام ہے کیوں کہ نماز نہ پڑھنا گناہ تو ہے کفر یا شرک نہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۱

الف: جب ''صلٰوۃ'' کے بعد ''علٰی'' آوے تو اس کے معنی رحمت یا دعاءِ رحمت ہوں گے یا نمازِ جنازہ۔

ب: جب ''صلٰوۃ'' کے بعد ''علٰی'' نہ آوے تو صلٰوۃ کے معنی نماز ہوں گے۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓىِٕكَتُهٗ (پ ۲۲، الاحزاب: ۴۳)	وہ اللہ ہے جو تم پر رحمت کرتا ہے اور اس کے فرشتے دعاءِ رحمت کرتے ہیں۔
﴿۲﴾ وَصَلِّ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (پ ۱۱، التوبۃ: ۱۰۳)	آپ ان کے لئے دعا کریں۔ آپ کی دعا ان کے دل کا چین ہے۔
﴿۳﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (پ ۱۰، التوبۃ: ۸۴)	ان منافقوں میں سے کسی پر نہ آپ نماز جنازہ پڑھیں نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔
﴿۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓىِٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ (پ ۲۲، الاحزاب: ۵۶)	بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر۔

ان جیسی تمام آیتوں میں صلٰوۃ سے مراد دعا یا رحمت یا نمازِ جنازہ ہی مراد ہوگا کیونکہ ان میں صلٰوۃ کے بعد ''علٰی'' آ رہا ہے۔

''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (پ ۱، البقرۃ: ۴۳)	نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔

﴿۲﴾ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ○ بے شک نماز مسلمانوں پر وقت کے مطابق واجب ہے۔

(پ ۵، النسآء: ۱۰۳)

ان جیسی تمام آیتوں میں صلوٰۃ سے مراد نماز ہے کیونکہ یہاں صلوٰۃ سے علٰی کا تعلق نہیں دوسری آیت میں اگرچہ ''علٰی'' ہے مگر علٰی کا تعلق کتابًا سے ہے، نہ کہ صلوٰۃ سے لہٰذا یہاں بھی مراد نماز ہی ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۲

مُردوں کا سننا

جب قرآن شریف میں مُردے، اندھے، بہرے، گونگے، قبر والے کے ساتھ نہ لوٹنے، نہ ہدایت پانے، نہ سنانے وغیرہ کا ذکر ہوگا تو ان لفظوں سے مراد کافر ہونگے یعنی دل کے مردے، دل کے اندھے وغیرہ عام مردے وغیرہ مراد نہ ہوں گے اوران کے نہ سنانے سے مراد ان کا ہدایت نہ پانا ہوگا نہ کہ واقع میں نہ سننا۔ اوران آیات کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ان دل کے مردے، اندھے، بہرے کافروں کونہیں سنا سکتے جس سے وہ ہدایت پر آجاویں یہ مطلب نہ ہوگا کہ آپ مردوں کونہیں سنا سکتے مثال یہ ہے۔

﴿۱﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ○ (پ ۱، البقرۃ: ۱۸) یہ کافر بہرے، گونگے، اندھے ہیں پس وہ نہ لوٹیں گے۔

﴿۲﴾ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ (پ ۲۰، النمل: ۸۰)

تم ان مردوں (کافروں) کو نہیں سنا سکتے اور نہ تم بہروں کو سنا سکتے ہو۔

﴿۳﴾ وَمَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا ○ (پ ۱۵، بنیٓ اسرآء یل: ۷۲)

جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اور راستے سے بہکا ہوا ہے۔

یہ آیات قرآن شریف میں بہت جگہ آئی ہیں اور ان سب میں مردوں، اندھوں، بہروں سے مراد کفار ہی ہیں نہ کہ ظاہری آنکھوں کے اندھے اور بے جان مردے۔ ان آیات کی تفسیر ان آیتوں سے ہو رہی ہے۔

﴿۱﴾ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ○ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (پ ۲۰، النمل: ۸۰، ۸۱)

بے شک تم نہیں سنا سکتے مردوں کو اور نہ سنا سکتے ہو بہروں کو جب پھریں پیٹھ دے کر اور نہ تم اندھوں کو ہدایت کرنے والے ہو۔ نہیں سنا سکتے تم مگر ان کو جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ مسلمان ہیں۔

اس آیت میں مردے اور اندھے، بہرے کا مقابلہ مومن سے کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مردوں سے مراد کافر ہیں۔

﴿۲﴾ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَیْهِمْ عَمًی ؕ اُولٰٓئِکَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّکَانٍۭ بَعِیْدٍ ○ (پ ۲۴، حٰمٓ السجدة: ۴۴)

اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں ٹینٹ ہیں اور وہ ان پر اندھا پن ہے گویا وہ دور جگہ سے پکارے جا رہے ہیں۔

اس آیت نے بتایا کہ کافر گویا اندھا، بہرا ہے۔

﴿۳﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فَاَصَمَّہُمۡ وَ اَعۡمٰۤی اَبۡصَارَہُمۡ ۝ (پ ۲۶، محمد: ۲۳)

یہ کفار وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کردی پس انہیں بہرا کردیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کردیا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ لعنت سے آدمی اندھا، بہرا ہو جاتا ہے یعنی دل کا اندھا، بہرا۔

﴿۴﴾ وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ ۫ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِـہَۃً یُّعۡبَدُوۡنَ ۝ (پ ۲۵، الزخرف: ۴۵)

جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان سے پوچھئے کہ کیا ہم نے اللہ کے سوا اور معبود بنائے ہیں جن کی پوجا کی جاوے۔

اس آیت نے بتایا کہ اللہ کے پیارے بندے وفات کے بعد سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔ اگر گزشتہ وفات یافتہ پیغمبر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا کلام نہ سنتے یا جواب نہ دیتے تو ان سے پوچھنے کے کیا معنی تھے۔ مردوں کے سننے کی اور آیات بھی ہیں جو پہلے باب میں دعا کے معنی میں بیان کی جاچکیں۔

ہماری ان مذکورہ آیتوں نے بتادیا کہ جہاں مردوں کے سننے سنانے کی نفی کی گئی ہے وہاں مردوں سے مراد کافر ہیں۔ ان آیتوں سے یہ ثابت کرنا کہ مردے سنتے نہیں بالکل جہالت ہے ورنہ التحیات میں حضور کو سلام اور قبرستان میں مردوں کو سلام نہ کرایا جاتا کیونکہ نہ سننے والے کو سلام کرنا منع ہے۔ اسی لئے سوتے ہوئے کو سلام نہیں کرسکتے۔

قاعدہ نمبر ۱۳

جب مومن کو ایمان کا حکم دیا جائے یا نبی کو تقویٰ کا حکم ہو تو اس سے مراد ایمان اور تقویٰ پر قائم رہنا ہوگا کیونکہ وہاں ایمان وتقویٰ تو پہلے ہی موجود ہے اور تحصیل حاصل محال ہے۔اس کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا (پ ۵،النسآء:۱۳۶) اے ایمان والو! ایمان لاؤ یعنی ایمان پر قائم رہو۔

﴿۲﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ (پ ۲۱،الاحزاب:۱) اے نبی اللہ سے ڈرو یعنی اللہ سے ڈرے جاؤ۔

﴿۳﴾ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (پ ۲۷،الحدید:۷) اے مومنو! اللہ ورسول پر ایمان لاؤ یعنی ایمان پر قائم رہو۔

ان جیسی تمام آیات میں ایمان وتقویٰ پر استقامت مراد ہے تاکہ ترجمہ درست ہو، نیز مسلمانوں کو احکام عمل کرنے کے لئے دیئے جاتے ہیں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو احکام اس لئے دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ عمل کرائیں۔جیسے جہاز کے مسافر پار اترنے کے لئے جہاز میں سوار ہوتے ہیں اور کپتان پار اتارنے کے لئے وہاں بیٹھتا ہے اسی لئے مسافر کرایہ دے کر اور کپتان تنخواہ لے کر سوار ہوتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۴

الف: جب ''خلق'' کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد پیدا کرنا ہوگی یعنی نیست کو ہست کرنا۔

ب: جب ''خلق'' کی نسبت بندے کی طرف ہوتو اس سے مراد ہوگی بنانا، گھڑنا۔

''الف'' کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (پ۲۹، الملك:۲)
اللہ نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تا کہ تمہارا امتحان کرے کہ کون اچھے عمل والا ہے۔

﴿۲﴾ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ (پ۷، الانعام:۱۰۱)
اور پیدا کیا اللہ نے ہر چیز کو اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

﴿۳﴾ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (پ۱، البقرة:۲۱)
اللہ نے پیدا کیا تم کو اور تم سے پہلے والوں کو۔

ان جیسی تمام آیتوں میں ''خلق'' کے معنی پیدا کرنا ہے کیونکہ اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔

''ب'' کی مثال یہ ہے۔

﴿۱﴾ اَنِّیْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ (پ۳، اٰل عمرٰن:۴۹)
عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بناتا ہوں تمہارے لئے مٹی سے پرندہ کی شکل۔

﴿۲﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا (پ۲۰، العنكبوت:۱۷)
تم خدا کے سوا بتوں کو پوجتے ہو اور جھوٹ گھڑتے ہو۔

﴿۳﴾ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ○ (پ۱۸، المؤمنون:۱۴)
پس بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے ولا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۵

الف: حکم، گواہی، وکالت، حساب لینا، مالک ہونا۔ ان چیزوں کو جہاں قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے وہاں حقیقی، دائمی، مستقل مراد ہوگا مثلاً کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے یا خدا کے سواء کسی کو وکیل نہ بناؤ تو مراد حقیقی دائمی مالک و مستقل وکیل ہے۔

ب: جب ان چیزوں کو بندوں کی طرف نسبت کیا جاوے تو ان سے مراد عارضی، عطائی، مجازی ہوں گے۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ — نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالیٰ کا۔

(پ۷، الانعام:۵۷)

﴿۲﴾ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا ۝ — اور اللہ ہی کافی گواہ ہے۔

(پ۵، النسآء:۷۹)

﴿۳﴾ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ۝ — میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ۔

(پ۱۵، بنیٓ اسرآءیل:۲)

﴿۴﴾ وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا ۝ — آپ کا رب کافی وکیل ہے۔

(پ۱۵، بنیٓ اسرآءیل:۶۵)

﴿۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ وَکِیْلًا ۝ (پ۱۵، بنیٓ اسرآءیل:۵۴) — ہم نے آپ کو ان کافروں پر وکیل بنا کر نہ بھیجا۔

﴿٦﴾ وَمَآ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ٥ آپ ان کافروں پر وکیل نہیں۔

(پ۷،الانعام:۱۰۷)

﴿٧﴾ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا٥ اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا۔

(پ٤،النسآء:٦)

﴿٨﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ (پ٤،اٰل عمرٰن:۱۲۹) صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہیں وہ چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔

﴿٩﴾ فَاتَّخِذۡهُ وَكِيۡلًا٥ پس اللہ تعالیٰ ہی کو وکیل بناؤ۔

(پ۲۹،المزمل:۹)

ان جیسی ساری آیتوں میں حقیقی مالک، حقیقی وکیل، حقیقی گواہ، حقیقی حساب لینے والا مراد ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی حاکم نہیں، کوئی حقیقی مالک، حقیقی وکیل، حقیقی گواہ نہیں جیسے کہ سکندر نامے میں ہے ؎

پناہ بلندی و پستی توئی
ہمہ نیست اند، آنچہ ہستی توئی

''ب'' کی مثال ان آیات میں ہے:

﴿١﴾ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا (پ٥،النسآء:۳٥) اور اگر تم خاوند و بیوی کی مخالفت کا اندیشہ کرو تو ایک حکم پنچ خاوند والوں کی طرف سے اور دوسرا حکم پنچ عورت والوں کی طرف سے بھیجو۔

﴿۲﴾ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (پ ۵، النسآء: ۵۸)

اور جب تم لوگوں کے درمیان حکومت (فیصلہ) کرو تو انصاف سے کرو۔

﴿۳﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (پ ۵، النسآء: ۶۵)

پس آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہ ہوں گے، یہاں تک کہ آپ کو اپنے اختلافات میں حاکم مان لیں۔

﴿۴﴾ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ (پ ۱، البقرۃ: ۱۸۸)

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ لے جاؤ۔

﴿۵﴾ وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (پ ۲۸، الطلاق: ۲)

اور اپنے میں سے دو پرہیزگاروں کو گواہ بناؤ۔

﴿۶﴾ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ؁ (پ ۱۵، بنیٓ اسرآءیل: ۱۴)

آج تو اپنے پر خود ہی کافی حساب لینے والا ہے۔

﴿۷﴾ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (پ ۵، النسآء: ۲۴)

اور حرام ہیں تم پر شوہر والی عورتیں سواء ان کے جن کے تم مالک ہو۔

﴿۸﴾ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ (پ ۳، البقرۃ: ۲۸۲)

اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنالو۔

﴿۹﴾ شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

تمہاری آپس کی گواہی جب تم میں سے کسی کو موت آوے وصیت کرتے وقت تو تم میں سے دو معتبر شخص ہیں۔

(پ۷،المآئدۃ:۱۰۶)

ان جیسی تمام آیتوں میں عارضی، غیر مستقل، عطائی ملکیت، گواہی، وکالت، حکومت، حساب لینا، بندوں کے لئے ثابت کیا گیا ہے یعنی اللہ کے بندے مجازی طور پر حاکم ہیں، وکیل ہیں، گواہ ہیں لہٰذا آیات میں تعارض نہیں، جیسے سمیع، بصیر، حی وغیرہ اللہ کی صفتیں ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (پ۱۵، بنیٓ اسراء یل:۱) اللہ تعالیٰ ہی سننے والا دیکھنے والا ہے اور بندوں کی بھی صفتیں یہ ہیں۔ فرماتا ہے: فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا (پ۲۹،الدھر:۲)۔ ہم نے انسان کو سننے والا، دیکھنے والا بنادیا، اللہ کا سننا، دیکھنا۔ دائمی، غیر محدود، مستقل، ذاتی ہے اور بندوں کا دیکھنا، سننا، زندہ ہونا۔ عارضی، محدود، عطائی، غیر مستقل ہے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ کا نام بھی ''علی'' ہے۔ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (پ۳،البقرۃ:۲۵۵) اور حضرت علی مرتضی کا نام علی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے ''مولنا'' اَنْتَ مَوْلٰنَا (پ۳،البقرۃ:۲۸۶) اور عالموں کو مولانا صاحب کہا جاتا ہے مگر اللہ کا علی یا مولیٰ ہونا اور طرح کا ہے اور بندوں کا علی اور مولیٰ ہونا کچھ اور قسم کا یہ فرق ضروری ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۶

الف: جہاں علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا جاوے یا اس کی بندوں

سے نفی کی جاوے تو اس علم غیب سے ذاتی، دائمی، جمیع علوم غیبیہ، قدیمی مراد ہوگا۔

ب: جہاں علم غیب بندوں کے لئے ثابت کیا جاوے یا کسی نبی کا قول قرآن میں نقل کیا جاوے کہ فلاں پیغمبر نے فرمایا کہ میں غیب جانتا ہوں وہاں مجازی، حادث، عطائی علم غیب مراد ہوگا جیسا کہ قاعدہ نمبر ۱۵ میں دیگر صفات کے بارے میں بیان کر دیا گیا۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ (پ۲۰، النمل:٦٥)

تم فرما دو کہ آسمانوں اور زمین میں غیب کوئی نہیں جانتا اللہ کے سوا۔

﴿۲﴾ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ (پ۷، الانعام:٥٩)

اس رب کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

﴿۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (پ۲۱، لقمٰن:٣٤)

قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

﴿٤﴾ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ (پ۲۱، لقمٰن:٣٤)

اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی۔

﴿٥﴾ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ (پ۹، الاعراف:١٨٨)

اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت خیر جمع کر لیتا۔

ان جیسی تمام آیات میں علم غیب ذاتی یا قدیمی یا مستقل مراد ہے اس کی نفی

بندوں سے کی جارہی ہے۔ ب کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (پ ۱، البقرة: ۲، ۳)	قرآن ان پرہیزگاروں کا ہادی ہے جو غیب پر ایمان لائیں (ظاہر ہے کہ غیب پر ایمان جان کر ہی ہوگا)
﴿۲﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (پ ۲۹، الجن: ۲۶، ۲۷)	اللہ غیب کا جاننے والا ہے پس نہیں مطلع کرتا اپنے غیب پر کسی کو سوا پسندیدہ رسول کے۔
﴿۳﴾ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (پ ۵، النسآء: ۱۱۳)	اور سکھا دیا آپ کو وہ جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔
﴿۴﴾ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (پ ۸، الاعراف: ٦۲)	یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ جانتا ہوں میں اللہ کی طرف سے وہ جو آپ نہیں جانتے
﴿۵﴾ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ (پ ۳، آل عمرٰن: ۴۹)	اور خبر دیتا ہوں میں تمہیں جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو جمع کرتے ہو۔
﴿٦﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ (پ ۱۳، یوسف: ۳۷)	یوسف علیہ السلام نے فرمایا جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے وہ تمہارے پاس نہ آئیگا کہ میں اس کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے تمہیں بتا دوں گا یہ ان علموں میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔

﴿۷﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ○ اور وہ نبی غیب بتانے پر بخیل نہیں۔

(پ ۳۰،التکویر:۲٤)

ان جیسی تمام آیتوں میں علم غیب عطائی، غیر مستقل، حادث، عارضی مراد ہے کیونکہ یہ علم غیب بندہ کی صفت ہے جب بندہ خود غیر مستقل اور حادث ہے تو اس کی تمام صفات بھی ایسی ہی ہوں گی۔

قاعدہ نمبر ۱۷

الف: جن آیتوں میں شفاعت کی نفی ہے وہاں یا تو دھونس کی شفاعت مراد ہے یا کفار کے لئے شفاعت یا بتوں کی شفاعت مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے جبراً شفاعت کوئی نہیں کرسکتا یا کافروں کی شفاعت نہیں یا بت شفیع نہیں۔

ب: جہاں قرآن شریف میں شفاعت کا ثبوت ہے وہاں اللہ کے پیاروں کی مومنوں کے لئے محبت والی شفاعت بالاذن مراد ہے یعنی اللہ کے پیارے بندے مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے محبوبیت کی بنا پر بخشوائیں گے۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ (پ۳،البقرۃ:۲۵٤) وہ قیامت کا دن جس میں نہ خرید وفروخت ہے نہ دوستی نہ شفاعت۔

﴿۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ○ (پ ۱،البقرۃ:۱۲۳) اور اس دن سے ڈرو کہ کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہوگی اور نہ اس کو کچھ لے کر چھوڑ دیں اور نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے اور نہ ان کی مدد ہو۔

﴿۳﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَؕ (پ۲۹،المدثر:۴۸) | پس نہ نفع دے گی ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت۔

﴿۴﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ (پ۲۴،الزمر:۴۳) | کیا کافروں نے اللہ کے مقابل سفارشی بنا رکھے ہیں۔

﴿۵﴾ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُؕ (پ۲۴،المؤمن:۱۸) | اور ظالموں کا نہ کوئی دوست نہ کوئی سفارشی جس کا کہا مانا جائے۔

﴿۶﴾ وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (پ۲۵،الزخرف:۸۶) | شفاعت کا اختیار نہیں سواء ان کے جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں۔

﴿۷﴾ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ (پ۲۱،السجدة:۴) | اللہ سے الگ ہو کر نہ تمہارا کوئی دوست ہے نہ سفارشی۔

ان جیسی تمام آیتوں میں کفار کی شفاعت، بتوں کی شفاعت، جبری شفاعت کا انکار ہے۔ ان آیتوں کو نبیوں، ولیوں یا مومنوں کی شفاعت سے کوئی تعلق نہیں۔

ب کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَصَلِّ عَلَیْهِمْؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (پ۱۱،التوبة:۱۰۳) | اور آپ انہیں دعا دیں بے شک آپ کی دعا ان کے دل کا چین ہے۔

﴿۲﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (پ۳،البقرة:۲۵۵) | وہ کون ہے جو رب کے نزدیک اس کی بے اجازت شفاعت کرے۔

﴿۳﴾ لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَھْدًا ۝ (پ۱۶،مریم:۸۷)	یہ لوگ شفاعت کے مالک نہیں سواء ان کے جنہوں نے رب کے نزدیک عہد لے لیا ہے۔
﴿۴﴾ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی (پ۱۷،الانبیآء:۲۸)	یہ حضرات نہ شفاعت کریں گے مگر اس کی جس سے رب راضی ہوا (مومن کی)۔
﴿۵﴾ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا ۝ (پ۱۶،طٰہٰ:۱۰۹)	شفاعت نفع نہ دے گی مگر ان کو جس کے لئے رب نے اجازت دی اور اس کے کلام سے رب راضی ہوا۔

ان جیسی بہت سی آیتوں میں مسلمانوں کی شفاعت مراد ہے جو اللہ کے پیارے بندے کریں گے تاکہ آیات میں تعارض نہ ہو۔

نوٹ ضروری: جس حدیث میں ارشاد ہے کہ سنت چھوڑنے والا شفاعت سے محروم ہے۔اس سے بلندی درجات کی شفاعت مراد ہے یعنی اس کے درجے بلند نہ کرائے جائیں گے کیونکہ دوسری روایت میں ہے کہ گناہ کبیرہ والوں کے لئے شفاعت ہے یعنی بخشش کی شفاعت، نیز بعض روایات میں ہے کہ زکوۃ نہ دینے والے اپنے جانور اور مال کندھے پر لادے ہوئے حاضر بارگاہ نبوی ہوں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے مگر انہیں شفاعت سے منع کر دیا جاوے گا۔اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوۃ کے منکر ہو کر کافر ہو گئے تھے اور کافر کی شفاعت نہیں جیسے خلافت صدیقی میں بعض لوگ زکوۃ کے منکر ہو گئے یا مراد ہے شفاعت نہ کرنا نہ کہ نہ کر سکنا، اس کا بہت خیال چاہیے یہاں بہت دھوکا لگتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۸

الف: جب غیر خدا کو پکارنے سے منع فرمایا جاوے، یا پکارنے والوں کی برائی بیان ہو تو اس پکارنے سے مراد معبود سمجھ کر پکارنا ہے یعنی پوجنا۔

ب: جہاں غیر خدا کو پکارنے کا حکم ہے یا اس پکارنے پر ناراضگی کا اظہار نہ ہو تو اس سے مراد بلانا یا پکارنا ہی ہوگا۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (پ۲۶،الاحقاف:۵) — اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو خدا کے سوا پوجے۔

﴿۲﴾ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (پ۲۹،الجن:۱۸) — اور اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پوجو۔

ان جیسی صدہا آیتوں میں دعا کے معنی پوجنا ہے یعنی معبود سمجھ کر پکارنا نہ کہ محض پکارنا۔

''ب'' کی مثال ان آیات میں ہے:

﴿۱﴾ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (پ۱۱،یونس:۳۸) — اللہ کے سوا جس کو طاقت رکھتے ہو بلا لو۔

﴿۲﴾ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ (پ۲۱،الاحزاب:۵) — پکارو انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے۔

ان جیسی صدہا آیات میں دعا کے معنی پکارنا یا بلانا ہے۔ اس کی پوری تحقیق پہلے باب میں دعا کی بحث میں گذر چکی، وہاں مطالعہ کرو۔

قاعدہ نمبر ۱۹

الف: جب غیر خدا کو ولی بنانے سے منع کیا جائے یا ولی ماننے والوں پر ناراضگی اور عتاب ہو یا ایسے کو مشرک کافر کہا جائے تو ولی سے مراد معبود یا رب کے مقابل مددگار ہوگا یا آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت میں کافروں کا مددگار کوئی نہیں۔

ب: جب غیر خدا کو ولی بنانے کا حکم دیا جاوے یا اس پر ناراضگی کا اظہار نہ ہو تو ولی سے مراد دوست، مددگار باذن اللہ یا قریب ہوگا۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○ (پ۲۵،الشوریٰ:۸)

اور ظالموں کیلئے نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار۔

﴿۲﴾ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○ (پ۱،البقرۃ:۱۰۷)

اللہ کے مقابل تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔

ان جیسی صدہا آیتوں میں اللہ کے مقابل مددگار مراد ہے، ایسا مددگار ماننا کفر ہے۔

''ب'' کی مثال ان آیات میں ہے:

﴿۱﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ○ (پ۶،المآئدۃ:۵۵)

تمہارا مددگار اللہ اور اس کا رسول اور وہ مسلمان ہیں جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

﴿۲﴾ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ○ (پ۵،النسآء:۷۵)

ہمارے لئے اپنی طرف سے دوست بنا اور ہمارے لئے اپنی طرف سے مددگار بنادے۔

ان جیسی بے شمار آیتوں میں اللہ کے اذن سے مددگار مراد ہیں۔اس کی پوری تفصیل پہلے باب میں ولی کی بحث میں گذر چکی۔وہاں مطالعہ کرو۔

قاعدہ نمبر ۲۰

الف: جہاں وسیلہ کا انکار ہے وہاں بتوں کا وسیلہ یا کفار کے لئے وسیلہ مراد ہے۔یا وہ وسیلہ مراد ہے جس کی پوجا پاٹ کی جاوے۔

ب: جہاں وسیلہ کا ثبوت ہے، وہاں رب کے پیاروں کا وسیلہ یا مومنوں کے لیے وسیلہ مراد ہے تاکہ آیتوں میں تعارض واقع نہ ہو۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (پ۲۳،الزمر:۳)
نہیں پوجتے ہیں ہم ان بتوں کو مگر اس لئے تاکہ وہ ہمیں خدا سے قریب کر دیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب اپنے بتوں کو جو اللہ کے دشمن ہیں خدا رسی کا وسیلہ سمجھ کر پوجتے تھے یعنی ان کے شرک کی وجہ دو ہوئیں۔ایک دشمنان خدا کو اس تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھنا، دوسرے انہیں پوجنا، صرف وسیلہ اختیار کرنے کی وجہ سے مشرک نہ ہوئے۔''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (پ۶،المآئدۃ:۳۵)
اس رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

﴿۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (پ۵،النسآء:۶۴)
اور اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپکے حضور آجاویں پھر خدا سے معافی مانگیں اور رسول بھی ان کے لئے دعا مغفرت کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاویں۔

﴿۳﴾ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (پ ٤،اٰل عمرٰن:١٦٤) — اور وہ رسول انہیں پاک کرتے ہیں اورانہیں کتاب اورحکمت سکھاتے ہیں۔

﴿٤﴾ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (پ ٢١،السجدة:١١) — فرماؤ کہ تمہیں موت دے گا وہ موت کا فرشتہ جوتم پر مقرر کیا گیا ہے۔

ان جیسی تمام آیتوں میں وسیلہ کا ثبوت ہے مگر وہی وسیلہ مراد ہے جو اللہ کے اذن اوراجازت سے اس کا پیارا بندہ رب تک پہنچائے۔

نوٹ ضروری: وسیلہ اسلام میں بڑی اہم چیز ہے کیونکہ سارے اعمال موت پر ختم ہوجاتے ہیں مگر وسیلہ پکڑنا موت، قبر، حشر ہرجگہ ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پر موت ہو، قبر میں ان کے نام پر کامیابی ہو، حشر میں ان کے طفیل نجات ہو، نیز اوراعمال کی ضرورت صرف انسانوں کو ہے مگر وسیلہ کی ضرورت ہر مخلوق کو دیکھو کعبہ معظّمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر قبلہ نہ بنا اور حضور کے ہاتھوں کے بغیر بتوں کی گندگی سے پاک نہ ہوسکا۔ وسیلہ کا انکار اسلام کے بڑے اہم مسئلہ کا انکار ہے۔

قاعدہ نمبر ۲۱

الف: جن آیتوں میں فرمایا گیا ہے کہ انسان کو صرف اپنے عمل ہی کام آویں گے یا فرمایا گیا ہے کہ نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جو خود کرے، اس سے مراد بدنی فرض عبادتیں ہیں یا یہ مطلب ہے کہ قابل اعتماد اپنے اعمال ہیں کسی کے بھیجنے کا یقین نہیں۔

ب: جن آیتوں میں فرمایا گیا ہے کہ دوسروں کی نیکی اپنے کام آتی ہے۔

اس سے مراد اعمال کا ثواب ہے یا مصیبت دور ہونا یا درجے بلند ہونا۔

''الف'' کی مثال یہ ہے۔

﴿۱﴾ لَیۡسَ لِلۡاِ نۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیo (پ۲۷،النجم:۳۹)
نہیں ہے انسان کیلئے مگر وہ جو کوشش کرے۔

﴿۲﴾ لَهَا مَا کَسَبَتۡ وَعَلَیۡهَا مَا اکۡتَسَبَتۡ (پ۳،البقرۃ:۲۸۶)
اس نفس کیلئے مفید ہیں وہ عمل جو خود کرے اور اس کو مضر ہیں وہ گناہ جو خود کرے۔

ان دونوں آیتوں کا منشا یہ ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے فرض نماز نہیں پڑھ سکتا، فرضی روزہ نہیں رکھ سکتا، ان آیتوں میں اسی لئے سعی اور کسب کا ذکر ہے یا منشاء یہ ہے کہ اپنی ملکیت انہی عملوں پر ہے جو خود کر لئے جاویں کیا خبر کوئی دوسرا ثواب بھیجے یا نہ بھیجے۔ اس کے بھروسا پر خود غافل رہنا بیوقوفی ہے۔ ''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَکَانَ تَحۡتَهٗ کَنۡزٌ لَّهُمَا وَکَانَ اَبُوۡهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنۡ یَّبۡلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَیَسۡتَخۡرِجَا کَنۡزَهُمَا (پ۱۶،الکھف:۸۲)
حضرت خضر نے فرمایا کہ اس دیوار کے نیچے دو یتیموں کا خزانہ ہے اور ان کا باپ نیک تھا پس تمہارے رب نے چاہا کہ یہ بالغ ہوں تو اپنا خزانہ نکالیں۔

﴿۲﴾ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّیَّتُهُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّیَّتَهُمۡ وَمَاۤ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ (پ۲۷،الطور:۲۱)
اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی اور ان کے عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی۔

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ جس گرتی ہوئی دیوار کی مرمت حضرت خضر و موسیٰ علیہما السلام نے کی۔ وجہ صرف یہ تھی کہ اس کے نیچے خزانہ تھا جو ایک نیک آدمی کا تھا۔ اس کے دو چھوٹے بچے تھے، رب تعالیٰ نے چاہا کہ دیوار کھڑی رہے اور خزانہ محفوظ رہے تا کہ بچے جوان ہو کر نکال لیں۔ اس لئے دو پیغمبروں کو اس کی مرمت کے لئے بھیجا، ان نابالغ یتیموں پر یہ مہربانی ان کے باپ کی نیکی کی وجہ سے ہوئی۔

دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ نیکوں کی مومن اولاد جنت میں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہے گی اگرچہ اولاد کے اعمال باپ سے کم درجہ کے ہوں۔ ایسے ہی نابالغ بچے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرزندان حضرت طیب و طاہر و قاسم و ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے حالانکہ کوئی نیکی نہ کی۔ معلوم ہوا کہ کسی کی نیکی دوسرے کے کام آجاتی ہے۔ اسی وجہ سے ایصال ثواب، فاتحہ وغیرہ کرتے ہیں بلکہ حج بدل بھی دوسرے کی طرف سے کر سکتے ہیں۔ اور زکوۃ میں دوسرے کے نائب بن سکتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۲۲

الف: جن آیتوں میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اس کا مطلب ہے کہ بخوشی نہ اٹھائے گا یا اس طرح نہ اٹھائے گا جس سے مجرم آزاد ہو جائے گا۔

ب: جن آیتوں میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت میں بعض لوگ بعض کا بوجھ اٹھائیں گے اس کا مطلب یہ ہے کہ مجبوراً اٹھائیں گے یا یہ بھی اٹھائیں گے اور مجرم بھی

یہ تو اٹھائیں گے گناہ کرانے کی وجہ سے اور مجرم بوجھ اٹھائے گا گناہ کرنے کی وجہ سے۔

''الف'' کی مثال یہ آیت ہے:

﴿۱﴾ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ج وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (پ۸،الانعام:۱٦٤)

اور نہ کمائے گا کوئی نفس مگر اپنے ذمہ پر اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔

﴿۲﴾ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ قف وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (پ۱۵، بنیۤ اسرآءیل:۷)

اگر تم بھلائی کرو گے تو اپنے لئے بھلائی کرو گے اور اگر برا کرو گے تو اپنا۔

﴿۳﴾ مَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا يَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا (پ۱۵، بنیۤ اسرآءیل:۱۵)

جو راہ پر آیا وہ اپنے ہی بھلے کو راہ پر آیا اور جو بہکا وہ اپنے ہی برے کو بہکا۔

﴿٤﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ط وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَیْءٍ ط اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (پ۲۰،العنکبوت:۱۲)

اور کافر مسلمانوں سے بولے ہماری راہ پر چلو اور ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ نہ اٹھائیں گے بے شک وہ جھوٹے ہیں۔

﴿۵﴾ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ج وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (پ۱،البقرۃ:۱۳٤)

اس جماعت کے لئے وہ ہے جو وہ خود کما گئی تمہارے لئے تمہاری کمائی ہے اور تم ان کے اعمال سے نہ پوچھے جاؤ گے۔

ان تمام آیتوں سے معلوم ہوا کہ کسی کی پکڑ دوسرے کی وجہ سے نہ ہوگی اور کوئی کسی کا نہ گناہ اٹھائے نہ نیکی سے فائدہ پائے بلکہ اپنی کرنی اپنی بھرنی ہے۔

''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَلَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ ز وَلَیُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ عَمَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ۠ (پ ۲۰،العنکبوت:۱۳)

اور بے شک ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ اور ضرور قیامت کے دن پوچھے جائیں گے جو کچھ بہتان اٹھاتے تھے۔

﴿۲﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَاَهۡلِیۡکُمۡ نَارًا وَّقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ.(پ۲۸،التحریم:٦)

اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

﴿۳﴾ وَاتَّقُوۡا فِتۡنَةً لَّا تُصِیۡبَنَّ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡکُمۡ خَآصَّةً ج وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ۠ (پ۹،الانفال:۲۵)

اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو ہرگز تم میں سے خاص ظالموں کو ہی نہ پہنچے گا، اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

﴿٤﴾ وَلَا تَکُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ کَافِرٍۭ بِهٖ (پ۱،البقرة:٤۱)

تم قرآن کے پہلے کافر نہ بنو۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ قیامت میں بعض گنہگار دوسرے مجرموں کا بھی بوجھ اٹھائیں گے اور یہ بھی پتا لگا کہ بعض کے گناہوں کی وجہ سے دنیا میں بھی دوسروں پر مصیبت آجاتی ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی نجات کے لئے اپنے گھر والوں کو ہدایت

دینا ضروری ہے۔ مطابقت اسی طرح ہوگی جو ہم نے عرض کردیا کہ بخوشی کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور کوئی دوسرے کا بوجھ اس طرح نہ اٹھائے گا کہ اصلی مجرم بالکل آزاد ہوجائے ہاں گمراہ کرانے والا بری باتوں کا موجد سارے مجرموں کا بوجھ اٹھائے گا یہ ضرور خیال رکھنا چاہیے۔

قاعدہ نمبر ۲۳

الف: جن آیتوں میں فرمایا گیا ہے کہ رسولوں میں فرق نہ کرو۔ وہاں ایمان میں فرق کرنا مراد ہے یعنی ایسے فرق نہ کرو کہ بعض کو مانو اور بعض کو نہ مانو یا مراد یہ ہے کہ اپنی طرف سے فرق پیدا نہ کرو یعنی ان کے فضائل اپنی طرف سے نہ گھٹاؤ یا ایسا فرق نہ کرو جس سے بعض پیغمبروں کی توہین ہوجاوے۔

ب: جن آیتوں میں فرمایا گیا کہ پیغمبروں میں فرق ہے وہاں درجات اور مراتب کا فرق مراد ہے یعنی بعض کے درجے بعض سے اعلیٰ ہیں۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (پ۳،البقرۃ:۲۸۵)

مسلمان کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسولوں میں فرق نہیں کرتے۔

﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۠ (پ٦،النسآء:۱۵۲)

اور وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان رسولوں میں سے کسی میں فرق نہ کرے۔ یہ وہ ہیں جنہیں رب ان کا ثواب دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ان آیتوں میں ایمان کا فرق مراد ہے یعنی بعض پیغمبروں کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا یہ کفر ہے۔ ایمان کے لئے سب نبیوں کو ماننا ضروری ہے اس کی تفسیر اس آیت نے کی۔

﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ وَّیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ۙ (پ۶،النسآء:۱۵۰)

بے شک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کا اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان میں رستہ بنالیں۔

اس آیت نے بتادیا کہ پیغمبروں کے درمیان ایمان لانے میں فرق کرنا منع ہے۔

''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ تِلۡکَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ۘ مِنۡہُمۡ مَّنۡ کَلَّمَ اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعۡضَہُمۡ دَرَجٰتٍ (پ۳،البقرۃ:۲۵۳)

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور بعض وہ ہیں جنہیں درجوں میں بلند کیا۔

﴿۲﴾ یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاہِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا ۙ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذۡنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیۡرًا ۙ (پ۲۲،الاحزاب:۴۵۔۴۶)

اے نبی ہم نے آپ کو بھیجا گواہ خوش خبریاں دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے اذن سے بلاتا اور چمکانے والا سورج۔

﴿۳﴾ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۙ (پ۱۷،الانبیآء:۱۰۷)

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کی رحمت۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ بعض پیغمبر بعض سے افضل ہیں اور خصوصاً ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سارے رسولوں میں ایسے ہیں جیسے تاروں میں سورج اور سارے جہان کی رحمت ہیں یہ صفات اوروں کو نہ ملیں۔

نوٹ ضروری: بعض احادیث میں آیا ہے کہ ہم کو یونس علیہ السلام پر بھی بزرگی نہ دو اور بعض میں آیا ہے کہ ہم تمام اولاد آدم کے سردار ہیں۔ ان احادیث میں مطابقت اسی طرح ہے کہ ایسی بزرگی دینا جس سے یونس علیہ السلام کی توہین ہو جاوے منع ہے اور اس طرح حضور کی شان بیان کرنا کہ ان حضرات کی عظمت برقرار رہے اور حضور کی شان معلوم ہو جائے۔ بالکل جائز بلکہ ضروری ہے۔

قاعدہ نمبر ۲۴

الف: قرآن شریف میں جہاں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے کہلوایا گیا ہے کہ مجھے خبر نہیں کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ وہاں اٹکل، حساب، قیاس، اندازے سے جاننا مراد ہے۔ یعنی میں اندازے یا قیاس سے یہ نہیں جانتا۔

ب: اور جہاں اسکے خلاف ہے وہاں وحی، الہام کے ذریعہ سے علم دینا مراد ہے۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ **وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ** ط (پ۲۶، الاحقاف: ۹) — اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا اور تمہارے ساتھ کیا۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کے معاملات نجوم، رمل، قیاس، حساب، اٹکل سے معلوم نہیں ہو سکتے میں باوجودیکہ پیغمبر ہوں اور پیغمبر کی عقل تمام دنیا سے بڑھ چڑھ کر ہوتی ہے لیکن میری کامل عقل ان باتوں کے جاننے کے لئے کافی نہیں میں بھی

عقل سے یہ چیزیں نہیں جانتا تو تم کیسے جان سکتے ہو۔ مجھے یہ علم وحی کے ذریعہ ہوا اور تم صاحب وحی نہیں ہو تو ایسی باتوں میں عقل پر زور نہ دیا کرو، اس کی تفسیر اسی آیت کے آخر میں یوں ہو رہی ہے۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌo

میں نہیں پیروی کرتا مگر اس کی جو میری طرف وحی ہوتی ہے اور میں نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا۔

(پ ۲۶ ، الاحقاف:۹)

معلوم ہوا کہ آخرت کی پکڑ اور نجات وغیرہ وحی سے معلوم ہوتے ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر آتی ہے اس لئے اس آیت میں درایت کی نفی کی گئی۔ درایت کے معنی ہیں عقل سے جاننا، خدا تعالیٰ کے علم کو درایت نہیں کہتے کیونکہ وہ عقل سے پاک ہے، اس کا علم عقلی نہیں حضوری ہے۔ اس کی مثال یہ آیت ہے:

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ

اور یونہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی ایک جانفزا چیز اپنے حکم سے اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ ایمان تفصیل دار۔

(پ ۲۵ ،الشوریٰ: ۵۲)

اس آیت کا مطلب بھی یہ ہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن اور ایمان کو عقل، قیاس، اندازے سے معلوم نہ فرمایا، بلکہ اس کا ذریعہ وحی الٰہی ہے۔ یہاں بھی داریت کی نفی ہے نہ کہ مطلق علم کی ورنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ظہور نبوت سے پہلے عبادات کرتے تھے ایمان سے خبردار تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا ماں کی گود میں توحید، رسالت، احکام سے واقف ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی پیدائش سے چند گھنٹے بعد قوم سے فرمایا۔

قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ط اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَجَعَلَنِیۡ نَبِیًّاO (پ١٦،مریم:٣٠) فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب دی اور نبی فرمایا۔

جب کلمۃ اللہ صلوات اللہ علیہ وسلامہ بچپن میں رب سے بے خبر نہیں تو جو حبیب اللہ ہوں وہ کیسے بے خبر ہوں گے۔ لہٰذا اس آیت کے معنی وہ ہی ہیں جو عرض کئے گئے یعنی قیاس سے معلوم کرنا۔

''ب'' کی مثال اس آیت میں ہے:

﴿١﴾ لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (پ٢٦،الفتح:٢) تا کہ بخش دے اللہ تمہارے طفیل تمہارے وہ گناہ جو اگلے ہیں اور پچھلے ہیں۔

یہاں تمہارے گناہ سے مراد امت کے وہ گناہ ہیں جن کا بخشوانا حضور کے ذمہ کرم پر ہے جیسے وکیل کہتا ہے میرا مقدمہ فتح ہوگیا یعنی وہ مقدمہ جس کی پیروی میرے ذمہ ہے نہ یہ مطلب کہ میں اس میں گرفتار ہوں کیونکہ نبی گناہ سے معصوم ہیں۔

﴿١﴾ اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَO ہم نے تم کو کوثر دے دیا۔

(پ٣٠،الکوثر:١)

﴿٢﴾ وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَO ہم نے تمہارا ذکر اونچا کردیا۔

(پ٣٠،الانشراح:٤)

ان جیسی بہت سی آیات سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے انجام سے باخبر کئے گئے ہیں مگر یہ علم وحی کا ہے نہ کہ محض عقلی، لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو اپنی امت کے انجام کی بھی خبر رکھتے ہیں قرآن میں حضور کو شاہد فرمایا اور گواہ وہی ہوتا ہے جو واقعہ سے خبردار ہو۔ اسی لئے فرمایا: حسن حسین

جوانانِ جنت کے سردار ہیں، ابوبکر جنتی ہیں، فاطمۃ الزہرا جنتی ہیں۔

(مشكاة المصابيح، كتاب المناقب، باب مناقب اهل بيت النبی، الحديث ٦١٧١، المجلد الثانی، ص ٤٤١ والحديث ٦٠٣٣، ص ٤١٧، دار الكتب العلمية بيروت)

قاعدہ نمبر ۲۵

الف: جن آیات میں فرمایا گیا ہے کہ نبی ہدایت نہیں کرتے وہاں مراد ہے اللہ کی مرضی کے خلاف، اس کے مقابل ہدایت نہیں کرتے کہ رب چاہے کسی کو گمراہ کرنا اور نبی ہدایت کر دیں یہ ناممکن ہے۔

ب: جہاں فرمایا گیا ہے کہ نبی ہدایت کرتے ہیں وہاں مراد ہے باذنِ الٰہی ہدایت کرتے ہیں۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ **اِنَّکَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ ○** (پ ۲۰، القصص: ۵٦)

بے شک تم ہدایت نہیں کرتے جسے محبت کرو لیکن اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو۔

لطیفہ: اس جگہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اَحۡبَبۡتَ فرمایا اور اللہ کیلئے یَشَاءُ فرمایا دونوں جگہ اَحۡبَبۡتَ یا دونوں جگہ یَشَاءُ نہیں بولا گیا۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ساری مخلوق ہی سے محبت فرماتے ہیں۔ کیونکہ رحمت للعالمین ہیں اور آپ کو پسند ہے کہ سب کو ہی ہدایت ملے مگر آپ کی اس محبت پر ہدایت نہیں ملتی لیکن آپ اسی کی ہدایت چاہتے ہیں جس کی ہدایت رب چاہے جو فنا فی اللہ ہو وہ اپنی

مشیت رب کی مشیت میں فنا کر دیتا ہے۔اس کے بغیر چاہے چاہتا بھی نہیں رب تعالیٰ بھی ربوبیت کے لحاظ سے ساری مخلوق سے محبت کرتا ہے کیونکہ رب العالمین ہے اسی لئے ہادی بھیجے مگر چاہتا اس کی ہدایت ہے جس کی ہدایت میں حکمت ہے تو ہدایت نہ حضور کی محض محبت سے ملتی ہے نہ اللہ کی محض محبت سے، ہاں رب کے ارادہ سے اور پھر حضور کے ارادے سے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

﴿۱﴾ وَاِنۡ کَانَ کَبُرَ عَلَیۡکَ اِعۡرَاضُہُمۡ فَاِنِ اسۡتَطَعۡتَ اَنۡ تَبۡتَغِیَ نَفَقًا فِی الۡاَرۡضِ اَوۡ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاۡتِیَہُمۡ بِاٰیَۃٍ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَجَمَعَہُمۡ عَلَی الۡہُدٰی فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ○

اور اگر ان کفار کا پھرنا آپ پر شاق گزرا ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر لو یا آسمان میں زینہ پھر ان کیلئے نشانی لے آؤ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا پس تم نادان نہ بنو۔

(پ۷،الانعام:۳۵)

﴿۲﴾ لَیۡسَ عَلَیۡکَ ہُدٰہُمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ

آپ پر ان کی ہدایت نہیں لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دے۔

(پ۳،البقرۃ:۲۷۲)

ان جیسی تمام آیتوں میں رب کے خلاف مرضی ہدایت دینا مراد ہے یہ نہ نبی سے ممکن ہے نہ قرآن سے۔''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ وَاِنَّکَ لَتَہۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ○ (پ۲۵،الشوریٰ:۵۲)

اور تم اے محبوب ہدایت کرتے ہو سیدھے راستے کی۔

﴿۲﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ (پ ۱۵،بنی اسرآءیل:۹)	بے شک قرآن ہدایت دیتا ہے اس راستہ کی جو سیدھا ہے۔
﴿۳﴾ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ (پ ٤،اٰل عمرٰن: ١٦٤)	وہ نبی مسلمانوں پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اورانہیں پاک کرتے ہیں۔
﴿٤﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (پ ۲،البقرۃ:١٨٥)	ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا لوگوں کیلئے ہدایت اور راہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں ہیں۔

ان جیسی تمام آیات میں جن میں قرآن یا توریت یا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو ہادی فرمایا گیا ہے۔ ہدایت سے مراد اللہ کی مرضی سے راہ دکھانا ہے۔

قاعدہ نمبر ۲۶

الف: جن آیات میں فرمایا گیا ہے کہ غیر خدا کے نام پر پکارا ہوا جانور حرام ہے وہاں ذبح کے وقت کسی کا نام پکارنا مراد ہے۔

ب: جن آیات میں فرمایا گیا ہے کہ غیر خدا کے نام پر پکارا ہوا جانور حرام نہیں ہے حلال ہے ان میں زندگی کی حالت میں کسی کا نام پکارنا مراد ہے جیسے بتوں کے نام پر چھوڑا ہوا جانور یا زید کی بکری، عبدالرحیم کی گائے۔

﴿۱﴾ وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ (پ ۲،البقرۃ:۱۷۳)	اور حرام ہے وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارا گیا ہو۔
﴿۲﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ (پ۸،الانعام:۱۱۹)	اور تمہارا کیا حال ہے کہ وہ جانور نہیں کھاتے جس پر بوقت ذبح خدا کا نام پکارا گیا۔

﴿۳﴾ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (پ ٦، المآئدۃ: ۳) — اور حرام ہے وہ جانور جو بتوں پر ذبح کیا جائے۔

ان تمام آیتوں میں اس جانور کے کھانے سے منع فرمایا گیا ہے جو کسی غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے کہ حرام کرنے والی یہ ہی چیز ہے۔

ب کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (پ ۷، المآئدۃ: ۱۰۳) — نہیں مقرر کیا اللہ نے کان چرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن کافر لوگ اللہ پر جھوٹ افترا باندھتے ہیں۔

یہ جانور جو اس آیت میں مذکور ہوئے مشرکین عرب کی طرف سے بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے یعنی زندگی میں ان پر غیر خدا کا نام پکارا جاتا تھا اور مشرکین انہیں حرام سمجھتے تھے ان کے حرام سمجھنے کی تردید اس آیت میں کر دی گئی ہے اور انہیں حلال فرمایا گیا۔ لہٰذا آج مشرکین کے چھوڑے ہوئے بجار حلال ہیں اللہ کے نام پر ذبح کرو اور کھاؤ۔

قاعدہ نمبر ۲۷

الف: جہاں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے کہلوایا گیا ہے کہ میں اپنے اور تمہارے نفع کا مالک نہیں ہوں وہاں اللہ کے بغیر مرضی ملکیت مراد ہے۔

ب: جہاں فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم غنی کر دیتے ہیں

وہاں بعطاء الٰہی، اللہ عزوجل کے ارادے سے غنی کرنا اور دینا مراد ہے۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (پ۹،الاعراف:۱۸۸)	تم فرماؤ کہ میں اپنی جان کے بھلے اور برے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے۔
﴿۲﴾ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ط (پ۱۳،یوسف:۶۷)	اور میں تم سے دفع نہیں کرسکتا اللہ کے مقابل کوئی چیز
﴿۳﴾مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰهَا (پ۱۳،یوسف:۶۸)	یعقوب نہیں دفع کرسکتے تھے ان سے اللہ کی کوئی مصیبت مگر یعقوب کے دل کی حاجت تھی جو پوری کردی۔

ان جیسی تمام آیتوں میں یہ مراد ہے کہ رب تعالیٰ کے اذن کے بغیر میں کچھ نہیں کرسکتا ہر چیز میں اس کی اجازت کا حاجتمند ہوں۔

''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾اَغْنٰـهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (پ۱۰،التوبۃ:۷۴)	غنی کردیا انہیں اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے۔
﴿۲﴾وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (پ۱۰،التوبۃ:۵۹)	اور اگر وہ راضی ہوتے اس پر جو انہیں اللہ اور اس کے رسول نے دیا۔

﴿۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ (پ۲۲،الاحزاب:۳۷)

جب آپ کہتے تھے اس سے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے اسے نعمت دی کہ اپنی بیوی کو روکو۔

ان آیتوں سے پتا لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم غنی کرتے ہیں نعمت دیتے ہیں ان میں یہ ہی مراد ہے کہ اللہ کے حکم، اللہ کے ارادہ اور اذن سے نعمتیں بھی دیتے اور فضل بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا دونوں قسم کی آیتوں میں تعارض نہیں۔

قاعدہ نمبر ۲۸

الف: جب رفع کا مفعول کوئی زمینی جسم ہو تو رفع کے معنی ہوں گے اونچی جگہ میں اٹھانا چڑھانا، اونچا کرنا۔

ب: جب رفع کا مفعول کوئی زمینی جسم نہ ہو تو اس کے معنی ہوں گے روحانی بلندی، مرتبہ کا اونچا ہونا۔

''الف'' کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (پ۳، العمرٰن:۵۵)

اے عیسٰی میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کافروں سے تمہیں پاک کرنیوالا ہوں۔

﴿۲﴾ وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ (پ۱۳،یوسف:۱۰۰)

اٹھالیا یوسف نے اپنے ماں باپ کو تخت پر۔

﴿۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ (پ۶،نساء:۱۵۴)

اور ہم نے بنی اسرائیل کے اوپر طور پہاڑ اٹھالیا۔

﴿٤﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ (پ ۱، البقرۃ:۱۲۷) — اور جب ابراہیم بیت اللہ کی دیواریں اونچی کررہے تھے۔

ان آیتوں میں چونکہ رفع کا مفعول عیسی علیہ السلام یا یوسف علیہ السلام کے والدین یا طور پہاڑ یا کعبہ کی دیوار ہے اور یہ سب زمینی جسم ہیں لہٰذا ان میں رفع کرنے کے معنی ہونگے بلند جگہ میں پہنچانا، اٹھانا، اونچا کرنا۔ درجے بلند کرنا مراد نہ ہوگا۔

''ب'' کی مثال یہ آیت ہے:

﴿۱﴾ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ؕ (پ ۳۰، الانشراح:٤) — ہم نے آپ کا ذکر اونچا کردیا۔

﴿۲﴾ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ (پ ۳، البقرۃ:۲۵۳) — ان پیغمبروں میں بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور بعض کے درجے اونچے کئے۔

﴿۳﴾ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ۙ (پ ۱۸، النور:۳٦) — ان گھروں میں جنہیں بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا اور ان میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔

ان تمام آیتوں میں چونکہ رفع کا مفعول زمینی جسم نہیں ہے بلکہ ذکر یا درجے یا خدا تعالیٰ کا نام ہے اس لئے یہاں مکانی بلندی مراد نہ ہوگی بلکہ روحانی بلندی مراد ہے، کیونکہ یہ ہی اس کے لائق ہے لہٰذا عیسی علیہ السلام کے بارے میں جو آیت آئی اِنِّیْ رَافِعُكَ (ال عمران:۵۵) اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تمہیں آسمان پر اٹھانے والے ہیں یہ نہیں کہ تمہارے درجے بلند کرنے والے ہیں جیسا کہ قادیانی کہتے ہیں کیونکہ عیسی علیہ السلام زمینی جسم ہیں اور جسم کے لئے بلندی مکانی مناسب ہے۔

اعتراض: اگر اس آیت میں مکانی بلندی مراد ہے تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کسی جگہ یعنی آسمانوں میں رہتا ہو کیونکہ فرمایا گیا ہے **رَافِعُکَ اِلَیَّ** اپنی طرف اٹھانے والا ہوں خدا کی طرف کونسی ہے؟

جواب: یہاں خدا کی طرف اٹھانے سے مراد آسمان کی طرف اٹھانا ہے کیونکہ اگرچہ زمین و آسمان ہر چیز خدا تعالیٰ ہی کی ہے لیکن آسمان خصوصیت سے تجلی گاہ الٰہی ہے کہ نہ وہاں کسی کی ظاہری بادشاہت ہے نہ کفر و شرک و گناہ لہٰذا آسمان پر جانا گویا خدا کے پاس جانا ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: **ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ** (پ۲۹، الملک:۱۶) یا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: **اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ** O (پ۲۳، الصّٰفّٰت:۹۹) میں اپنے رب کی طرف جارہا ہوں وہ مجھے ہدایت کریگا حالانکہ آپ شام کے ملک میں جارہے تھے مگر چونکہ شام آپ کا عبادت گاہ تھا۔ اس لئے وہاں جانا رب کے پاس جانا قرار دیا گیا۔ اسی لئے مسجدوں کو اللہ کا گھر کہا جاتا ہے خدا وہاں رہتا نہیں مگر چونکہ وہاں کسی کا کام نہیں ہوتا اور نہ مسجد کسی انسان کی ملک ہے۔ لہٰذا وہ خدا کا گھر ہے۔

اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا: **اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ** (پ۳، ال عمرٰن: ۵۵) میں تمہیں وفات دوں گا اور اٹھاؤں گا یہاں وفات کا ذکر پہلے ہے اور اٹھانے کا ذکر بعد میں معلوم ہوا کہ عیسٰی علیہ السلام کو موت کے بعد اٹھایا گیا نہ کہ موت سے پہلے۔ (قادیانی)

جواب: اگر یہاں وفات کے معنی موت مان لئے جائیں تو بھی واؤ کیلئے ترتیب لازم نہیں بہت جگہ ترتیب کے خلاف ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں معنی یہ ہوئے کہ میں پہلے تمہیں اٹھاؤں گا پھر موت دوں گا جیسا کہ ان آیتوں میں ہے۔

﴿۱﴾ وَاسۡجُدِیۡ وَارۡکَعِیۡ (پ۳،اٰل عمرٰن:۴۳) اے مریم تم سجدہ کرو اور رکوع کرو۔

﴿۲﴾ خَلَقَکُمۡ وَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ (پ۱،البقرۃ:۲۱) اللہ نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے۔

﴿۳﴾ نَمُوۡتُ وَنَحۡیَا (پ۲۵،الجاثیۃ:۲۴) ہم مریں گے اور جئیں گے

﴿۴﴾ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ الۡعُلٰی ؕ (پ۱۶،طٰہٰ:۴) اللہ نے پیدا کیا زمین کو اور اونچے آسمانوں کو۔

﴿۵﴾ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَیٰوۃَ (پ۲۹،الملک:۲) اس اللہ نے پیدا کیا موت اور زندگی کو

﴿۶﴾ وَلَقَدۡ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ وَاِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ (پ۲۴،الزمر:۶۵) اور بے شک وحی کی گئی تمہاری طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو تم سے پہلے تھے۔

ان تمام آیتوں میں واؤ ترتیب کے خلاف ہے۔ ایسے ہی اس آیت میں ہے اور اگر واؤ یہاں ترتیب بتائے تب مُتَوَفِّیۡکَ میں جو وفات یا تو فّی مذکور ہے۔ اس سے موت مراد نہیں سلانا یا پورا لینا مراد ہے قرآن شریف میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اے عیسیٰ میں تمہیں سلا کر اپنی طرف اٹھاؤں گا یا میں تمہیں پورا پورا جسم مع روح اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِبۡرٰہِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی ۙ (پ۲۷،النجم:۳۷) یہاں وَفّٰی کے معنی ہیں پورا کیا۔ فرماتا ہے: یَتَوَفّٰىکُمۡ بِالَّیۡلِ وَیَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّہَارِ (پ۷،الانعام:۶۰) یہاں وفات کے معنی سلانا ہیں یعنی رب تعالیٰ تم کو رات میں سلا دیتا ہے، وہی معنی یہاں مراد ہیں۔

قاعدہ نمبر ۲۹

الف: جن آیتوں میں خدا کے سوا دوسرے سے ڈرنے کی ممانعت فرمائی گئی یا فرمایا گیا کہ صرف اللہ ہی سے ڈرو۔ وہاں عذاب کا خوف، حساب کا ڈر، پکڑ کا خوف، الوہیت اور کبریائی کا خوف مراد ہے کہ کسی کو معبود سمجھ کر نہ ڈرو یا رب تعالیٰ کے مقابل کسی سے خوف نہ کرو۔

ب: جن آیتوں میں دوسرے سے ڈرنے کا حکم دیا گیا یا فرمایا گیا کہ فلاں پیغمبر فلاں سے ڈرے، وہاں تکلیف کا ڈر، ایذا پہنچانے کا خوف یا فتنہ کا خوف مراد ہے تا کہ آیتوں میں تعارض نہ ہو خلاصہ یہ ہے کہ کبریائی کی ہیبت مومن کے دل میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی چاہیے اور دوسری قسم کے فتنہ، تکلیف کا خوف مخلوق کا ہو سکتا ہے۔

''الف'' کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿۱﴾ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ۝ (پ ۱، البقرۃ: ٤٠)

تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور صرف مجھ سے ہی ڈرو۔

﴿۲﴾ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِیْ ۗ (پ ۲، البقرۃ: ١٥٠)

پس ان کافروں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو۔

﴿۳﴾ اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ (پ ۲۲، الاحزاب: ٣٩)

جو اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچاتے اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

﴿٤﴾ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O (پ٤،ال عمرٰن:١٧٥)

پس ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو اگر تم مسلمان ہو۔

﴿٥﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ O (پ١١،یونس:٦٢)

خبردار ہو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ان جیسی تمام وہ آیتیں جن میں غیر خدا سے ڈرنے کی ممانعت ہے۔ان میں الوہیت کا خوف مراد ہے یا مخلوق کا وہ خوف جو رب کی اطاعت سے روک دے یہ ڈر ممنوع ہے۔''ب'' کی مثال یہ آیات ہیں:

﴿١﴾ اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ج (پ٢٨،التغابن:١٤)

تمہاری بعض بیویاں اور بعض اولاد تمہاری دشمن ہیں ان سے ڈرتے رہو۔

﴿٢﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى O (پ١٦،طٰه:٤٥)

حضرت موسیٰ وہارون نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم ڈرتے ہیں کہ فرعون ہم پر زیادتی کریگا یا سرکشی۔

﴿٣﴾ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ط يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ (پ١٩،النمل:١٠)

پھر موسیٰ نے اس لاٹھی کو دیکھا لہراتا ہوا گویا سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور مڑ کر نہ دیکھا اے موسیٰ نہ ڈرو۔

﴿٤﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى O (پ١٦،طٰه:٦٧)

موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈر گئے۔

﴿۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ قَتَلۡتُ مِنۡهُمۡ نَفۡسًا فَاَخَافُ اَنۡ یَّقۡتُلُوۡنِ ۝ (پ ۲۰،القصص:۳۳) — کہا موسی علیہ السلام نے اے میرے رب میں نے ان میں ایک آدمی مارڈالا ہے تو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کردیں گے۔

﴿۶﴾ فَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِیۡفَةًؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡؕ (پ ۲۶،الذٰریٰت:۲۸) — تو ابراہیم اپنے دل میں ان فرشوں سے ڈر گئے وہ بولے آپ ڈریئے نہیں۔

ان جیسی بہت سی وہ آیتیں جن میں مخلوق سے ڈرنے کا حکم ہے یا ان سے ڈرنے کا ثبوت ہے ان میں وہی خوف مراد ہے جو عرض کیا گیا یعنی تکلیف کا خوف یا فتنہ کا ڈر۔ اس قسم کے ڈر نہ ایمان کے خلاف ہیں اور نہ ولایت اور نبوت کے منافی۔ دیکھو موسی علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام نبی ہیں مگر سانپ سے، فرعون سے، ملائکہ سے خوف فرماتے ہیں لہٰذا انبیاء اور اولیاء اللہ سے خوف کرنا کہ یہ ناراض ہوکر بددعائیں دیں گے اور ہم کو نقصان پہنچ جائیگا۔ ایمان کے خلاف نہیں بلکہ ایمان کو قوی کرتا ہے موسی علیہ السلام کی بددعا سے فرعونیوں کا بیڑا غرق ہوا، نوح علیہ السلام کی بددعا سے ساری دنیا کے کافر ہلاک کردیئے گئے۔ معلوم ہوا کہ ان کی بددعا خطرناک ہے بلکہ خدا تعالیٰ نے بغیر کسی بندے کی بددعا کے کسی کو ہلاک نہ کیا۔

ہیچ قومے راخدا رسوا نہ کرد — تا دلے صاحب دلے نامد بدرد

قاعدہ نمبر ۳۰

الف: جن آیتوں میں نبی سے کہلوایا گیا ہے کہ ہم تم جیسے بشر ہیں وہاں مطلب یہ ہے کہ خالص بندے ہونے میں تم جیسے بشر ہیں کہ جیسے تم نہ خدا ہو نہ خدا کے

بیٹے، نہ خدا کے ساجھی، شریک ایسے ہی ہم نہ خدا ہیں نہ اس کے بیٹے نہ اس کے ساجھی۔ خالص بندے ہیں۔

ب: جن آیتوں میں نبی کو بشر کہنے پر کفر کا فتوے دیا گیا ہے اور انہیں بشر کہنے والوں کو کافر کہا گیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ جو نبی کی ہمسری اور برابری کا دعوی کرتے ہوئے انہیں بشر کہے یا ان کی اہانت کرنے کے لئے بشر کہے یا یوں کہے کہ جیسے ہم محض بشر ہیں نبی نہیں ایسے ہی تم نبوت سے خالی ہو محض بشر ہو۔ وہ کافر ہے۔

''الف'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (پ۱۶، الکھف: ۱۱۰)	فرمادو کہ میں تم جیسا بشر ہوں کہ میری طرف وحی کی گئی۔
﴿۲﴾قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط (پ۱۳، ابراھیم: ۱۱)	ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم تو تمہاری طرح انسان ہیں مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔

ان جیسی تمام آیات میں یہی مراد ہے کہ ہم ''اِلٰہ'' نہ ہونے میں اور خالص بندہ ہونے میں تم جیسے بشر ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عام انسان پیغمبر کے برابر ہوجاویں۔ ان آیات کی تائید ان آیتوں سے ہورہی ہے۔

﴿۱﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ط (پ۷، الانعام: ۳۸)	اور نہیں ہے کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرندہ کہ اپنے پروں پر اڑتا ہو مگر تم جیسی امتیں ہیں۔

﴿۲﴾مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط(پ۱۸،النور:۳۵)
اس اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جس میں چراغ ہے۔

ان آیتوں میں تمام جانوروں کو انسانوں کی مثل فرمایا گیا حالانکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اللہ تعالیٰ کے نور کو طاق اور چراغ سے مثال دی گئی۔ حالانکہ کہاں طاق اور چراغ اور کہاں رب کا نور جیسے ان دونوں آیتوں کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہم جانوروں کی طرح یا رب کا نور طاق اور چراغ کی طرح۔ اسی طرح نہیں کہا جاسکتا کہ ہم نبی کے برابر یا ان کی طرح ہیں۔ یہ تمثیل فقط سمجھانے کیلئے ہے۔

''ب'' کی مثال یہ ہے:

﴿۱﴾فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ز فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ (پ۲۸،التغابن:٦)
پس کافر بولے کیا بشر ہمیں ہدایت کرے گا لہٰذا وہ کافر ہوگئے پھر وہ پھر گئے اور اللہ بے پرواہ ہے۔

﴿۲﴾قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ o (پ۱٤،الحجر:۳۳)
شیطان نے کہا مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتی مٹی سے بنایا جو سیاہ لیسدار گارے سے تھی۔

﴿۳﴾فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لا (پ۱۸،المؤمنون:۲٤)
تو جس قوم کے سرداروں نے کفر کیا وہ بولے یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی۔

﴿٤﴾وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ o (پ۱۸،المؤمنون:۳٤)
کفار نے کہا کہ اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کروگے تو تم ضرور گھاٹے میں رہوگے۔

﴿۵﴾ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۚ
فرعونی بولے کیا ہم ایمان لائیں اپنے جیسے دو آدمیوں پر اوران کی قوم ہماری بندگی کررہی ہے۔
(پ۱۸،المؤمنون:۴۷)

ان جیسی تمام آیتوں میں فرمایا گیا کہ پیغمبر کو بشر کہنا اولاً شیطان کا کام تھا پھر ہمیشہ کفار نے کہا مومنوں نے یہ کبھی نہ کہا اوران کفار کے کفر کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ انبیاء علیہم السلام سے برابری کے دعویدار ہوکرانہیں اپنی طرح بشر کہتے تھے۔

نوٹ ضروری: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بارہا اپنی بندگی اور بشریت کا اعلان کرنا اس لئے تھا کہ عیسائیوں نے عیسی علیہ السلام میں دومعجزے دیکھ کرانہیں خدا کا بیٹا کہہ دیا، ایک توان کا بغیر باپ پیدا ہونا اوردوسرے مردے زندہ کرنا مسلمانوں نے صدہا معجزے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دیکھے، چاند پھٹتا ہوا۔ سورج لوٹتا ہوا دیکھا کنکر کلمہ پڑھتے دیکھے انگلیوں سے پانی کے چشمے بہتے دیکھے۔ اندیشہ تھا کہ وہ بھی حضور کوخدایا خدا کا بیٹا کہہ دیں۔ اس احتیاط کے لئے بار بار اپنی بشریت کا اعلان فرمایا۔

تیسرا باب

مسائل قرآنیہ

اس باب میں ان ضروری مسائل کا ذکر ہوگا جن کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ قرآن شریف سے صراحۃً ثابت ہیں اوران کے ثبوت میں صرف قرآنی آیات ہی پیش کی جاویں گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل قبول فرمائے۔

مسئلہ نمبر ا

کرامات اولیاء اللہ حق ہیں

جو عجیب وغریب حیرت انگیز کام نبی (علیہ السلام) سے صادر ہو تو اگر نبوت کے ظہور سے پہلے صادر ہوا وہ ارہاص ہے۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن شریف میں کلام فرمانا یا ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کنکروں، پتھروں کا بچپن میں سلام کرنا۔

اگر ظہور نبوت کے بعد ہو تو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا۔ یا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا چاند کو چیرنا، سورج کو واپس لانا، اور جو ولی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے صادر ہو اسے کرامت کہتے ہیں اور جو عجیب وغریب کام کافر سے ہو وہ استدراج کہلاتا ہے۔ جیسے دجال کا پانی برسانا، مردے زندہ کرنا۔

ابھی تک اللہ عزوجل کے فضل وکرم سے مسلمانوں میں کوئی فرقہ ایسا پیدا نہیں ہوا جو معجزات کا انکار کرتا ہو۔ قادیانی صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار کرتے ہیں وہ صرف اس لئے کہ ان کے مسیح موعود میں کوئی معجزہ نہیں۔ تو وہ کہتے ہیں کہ چونکہ اصلی مسیح میں کوئی معجزہ نہ تھا اس لئے ان کے مثل مسیح میں کوئی معجزہ نہیں، ورنہ معجزات کے وہ بھی قائل ہیں۔ خود قرآن کریم کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا معجزہ مانتے ہیں۔ ہاں بہت لوگ کرامات اولیاء اللہ کے منکر ہو گئے اور کہنے لگے کہ ساری کرامات گھڑے ہوئے قصے کہانی ہیں، قرآن سے ثبوت نہیں۔ ہم وہ آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں جن میں کرامات کا صریحی ذکر ہے۔

﴿۱﴾ کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْھَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ لا وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا ج قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا ط قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ (پ۳،اٰل عمرٰن:۳۷)

جب مریم کے پاس زکریا علیہ السلام آتے تو بے موسم پھل پاتے تو کہا اے مریم تمہارے پاس یہ کہاں سے آئے تو بولیں یہ رب کے پاس سے آئے ہیں۔

حضرت مریم بنی اسرائیل کی ولیہ ہیں ان کی کرامت یہ بیان ہوئی کہ مقفل کوٹھڑی میں بے موسم پھل انہیں غیب سے عطا ہوئے یہ کرامت ولی ہے۔

﴿۲﴾ وَلَبِثُوْا فِیْ کَھْفِھِمْ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ○ (پ۱۵،الکہف:۲۵)

اصحاب کہف غار میں تین سو برس ٹھہرے نو اوپر۔

اصحاب کہف نبی نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے ولی ہیں ان کی کرامت یہ بیان ہوئی کہ غار میں تین سو نو برس سوتے رہے۔ اتنا عرصہ بے غذا سونا اور فنا نہ ہونا کرامت ہے۔

﴿۱﴾ وَتَحْسَبُھُمْ اَیْقَاظًا وَّھُمْ رُقُوْدٌ ق وَّنُقَلِّبُھُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ق وَکَلْبُھُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْہِ بِالْوَصِیْدِ ط (پ۱۵،الکہف:۱۸)

اور تم انہیں جاگتا سمجھو اور وہ سو رہے ہیں اور ہم انہیں دائیں بائیں کروٹیں بدلتے ہیں اور ان کا کتا اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے غار کی چوکھٹ پر ہے۔

اس آیت میں اصحاب کہف جو اولیاء ہیں۔ ان کی تین کرامتیں بیان ہوئیں ایک تو جاگنے کی طرح اب تک سونا۔ دوسرے رب کی طرف سے کروٹیں بدلنا اور زمین کا ان کے جسموں کو نہ کھانا اور بغیر غذا باقی رہنا تیسرے ان کے کتے کا اب تک لیٹے رہنا یہ بھی ان کی کرامت ہے نہ کہ کتے کی۔

﴿۲﴾ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ ط (پ ۱۹، النمل: ۴۰)

اور بولا وہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں تخت بلقیس آپ کے پاس لے آؤں گا آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے۔

اس آیت میں آصف بن برخیا کی جو بنی اسرائیل کے نبی نہیں بلکہ ولی ہیں کئی کرامتیں بیان ہوئیں۔ بغیر کسی کے پوچھے یمن پہنچ جانا۔ وہاں سے اتنا وزنی تخت لے آنا اور یہ دور دراز سفر شام سے یمن تک جانا آنا ایک آن میں طے کر لینا۔

﴿۳﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ط قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ج (پ ۱۵، الکهف: ۷۱)

دونوں موسیٰ و خضر علیہما السلام چلے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو خضر نے کشتی کو توڑ دیا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم نے اس لئے توڑ دیا کہ کشتی والے ڈوب جائیں۔

اس آیت کریمہ میں خضر علیہ السلام جو کہ غالبًا کسی قوم کے ولی ہیں۔ ان کی یہ کرامت بیان کی کہ انہوں نے کشتی توڑ ڈالی مگر کشتی نہ ڈوبی۔ حالانکہ موسی علیہ السلام کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

﴿۱﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَاۤ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّكُفْرًا ۝ (پ ۱۶، الکهف: ۸۰)

حضرت خضر نے فرمایا کہ اس بچے کے ماں باپ مومن ہیں ہم نے خوف کیا کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر پر چڑھا دے۔

اس آیت میں حضرت خضر کی یہ کرامت بیان ہوئی کہ انہوں نے مقتول بچے اور اس کے والدین کے انجام کو جان لیا کہ وہ مومن رہیں گے اور یہ کافر ہوگا حالانکہ یہ علوم خمسہ میں سے ہے۔

﴿۲﴾ وَكَانَ تَحۡتَهٗ كَنۡزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوۡهُمَا صَالِحًا ج (پ۱۶،الکھف:۸۲)

خضر نے فرمایا کہ اس دیوار کے نیچے دو یتیموں کا خزانہ ہے اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔

اس آیت میں خضر علیہ السلام کی یہ کرامت بیان ہوئی کہ انہوں نے زمین کے نیچے کا دفینہ معلوم کرلیا۔ ان جیسی بہت سی آیات میں اولیاء اللہ کی کرامات بیان ہوئیں، ان کا علم غیب، طی الارض یعنی بہت جلد سفر طے کرنا، بے آب وغذا بہت عرصہ زندہ رہنا، غرضیکہ بہت کرامات کا ذکر ہے۔

مسئلہ نمبر۲

اللہ کے مقبول بندے باذن الٰہی مشکل کشا حاجت روا دافع بلا ہیں

اللہ کے پیارے اللہ کے حکم سے بندوں کی حاجتیں پوری کرتے ہیں مشکلیں حل کرتے ہیں قرآن کریم اس کا اعلان فرمارہا ہے۔ دور و نزدیک ہر جگہ سے مافوق الاسباب مشکل کشائی اور مدد کرتے ہیں۔

﴿۱﴾ اِذۡهَبُوۡا بِقَمِيۡصِىۡ هٰذَا فَاَلۡقُوۡهُ عَلٰى وَجۡهِ اَبِىۡ يَاۡتِ بَصِيۡرًا ج (پ۱۳،یوسف:۹۳)

میرا یہ کرتہ لے جاؤ اسے میرے باپ کے منہ پر ڈال دو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

﴿۲﴾ فَلَمَّاۤ اَنۡ جَآءَ الۡبَشِيۡرُ اَلۡقٰهُ عَلٰى وَجۡهِهٖ فَارۡتَدَّ بَصِيۡرًا ج (پ۱۳،یوسف:۹۶)

پھر جب خوشی سنانے والا آیا تو وہ قمیص یعقوب کے منہ پر ڈال دی۔ اسی وقت ان کی آنکھیں لوٹ آئیں۔

یعقوب علیہ السلام نابینا ہوگئے تھے ان کی اس مصیبت کو یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیص کے ذریعہ دور فرمایا اور ان کی مشکل کشائی کی قمیص سے شفا دینا مافوق الاسباب مدد ہے

﴿۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا ج لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ط (پ ۱۲، یوسف: ۲۴)

اور بے شک زلیخا نے قصد کرلیا یوسف کا اور یوسف علیہ السلام بھی ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے۔

یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے سات کوٹھڑیوں میں بند کر کے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو آپ نے سامنے یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ اشارے سے منع فرمارہے ہیں جس سے آپ کے دل میں ادھر میلان نہ پیدا ہوا۔ یہ رب تعالیٰ کی برہان تھی جس کا ذکر اس آیت میں ہے تو یعقوب علیہ السلام نے کنعان سے بیٹھے ہوئے مصر کی بند کوٹھڑی میں یوسف علیہ السلام کی یہ مدد کی کہ انہیں بڑی آفت اور ارادہ گناہ سے بچالیا۔ یہ ہے اللہ والوں کی مشکل کشائی اور مافوق الاسباب امداد۔

﴿۱﴾ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ج (پ ۳، ال عمرٰن: ۴۹)

عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں اللہ کے حکم سے شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔

اندھا، کوڑھی ہونا بلا ہے جسے عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے دفع کر دیتے ہیں لہٰذا اللہ کے پیارے دافع البلا ہوتے ہیں یعنی مافوق الاسباب مشکل کشائی فرماتے ہیں۔

﴿۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ ط فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ط (پ ۱، البقرۃ: ۶۰)

ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنی لاٹھی سے پتھر کو مارو پس فوراً اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہوگئے۔

بنی اسرائیل تیہ کے میدان میں پیاس کی آفت میں پھنسے تو رب تعالیٰ نے

براہ راست انہیں پانی نہ دیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ ان کے لئے دافع البلا بن جائیں تاکہ انہیں پانی ملے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندے بحکم الٰہی پیاس کی بلا دور کرتے ہیں مافوق الاسباب۔

﴿۳﴾قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ ق لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا (پ۱۶،مریم:۱۹)

جبریل نے مریم سے کہا کہ میں تمہارے رب کا قاصد ہوں آیا ہوں تاکہ تمہیں ستھرا بیٹا دوں۔

معلوم ہوا کہ حضرت جبریل علیہ السلام اللہ عزوجل کے حکم سے بیٹا بخشتے ہیں یعنی بندوں کی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔

﴿۱﴾وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًاO(پ۵،النساء:۶۴)

اے محبوب اگر یہ مجرم لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے پاس آجاویں اور خدا سے مغفرت مانگیں اور آپ بھی ان کی سفارش کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس آیت نے بتایا کہ جو گناہوں کی بیماری میں پھنس جاوے وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے شفاخانہ میں پہنچے وہاں شفا ملے گی آپ دافع البلاء ہیں اور مافوق الاسباب گناہ بخشوا دیتے ہیں۔

﴿۲﴾اُرْکُضْ بِرِجْلِکَ ج ھٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌO (پ۲۳،ص:۴۲)

اے ایوب زمین پر اپنا پاؤں مارو یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو۔

ایوب علیہ السلام کی بیماری اس طرح دور فرمائی گئی کہ ان سے فرمایا گیا۔ اپنا

پاؤں زمین پر رگڑو۔ رگڑنے سے پانی کا چشمہ پیدا ہوا۔ فرمایا اسے پی لو۔ اور غسل فرمالو۔ پینے سے اندرونی تکلیف دور ہوئی اور غسل سے بیرونی بیماری کو شفا ہوئی معلوم ہوا کہ پیغمبروں کے پاؤں کا دھوون اللہ کے حکم سے شفا ہے۔ آج آب زمزم اس لئے شفا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی سے پیدا ہوا۔ مدینہ پاک کی مٹی کو خاک شفا کہتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک سے مس ہوگئی معلوم ہوا کہ بزرگ دافع بلا ہیں اور یہ برکتیں مافوق الاسباب ہیں۔

﴿۱﴾ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ ○ (پ۱۶،طٰہٰ:۹۶)

پس میں نے فرشتے کے اثر سے ایک مٹھی مٹی لے لی پس یہ مٹی اس بچھڑے میں ڈالدی میرے دل نے یہی چاہا۔

سامری نے حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے ٹاپ کے نیچے کی خاک اٹھالی اور سونے کے بچھڑے کے منہ میں ڈالی جس سے اس میں زندگی پیدا ہوگئی اور وہ آواز کرنے لگا یہ ہی اس آیت میں مذکور ہے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات بے جان دھات میں جان ڈال سکتے ہیں باذن اللہ!

﴿۱﴾ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَكِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰی وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ (پ۲،البقرۃ:۲۴۸)

نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آوے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دل کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی اٹھائے لائیں گے اسے فرشتے۔

بنی اسرائیل کو ایک صندوق رب تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پگڑی، حضرت ہارون علیہ السلام کی نعلین شریف وغیرہ تھے اور

انہیں حکم تھا کہ جنگ میں اسے اپنے سامنے رکھیں فتح ہوگی۔ اس آیت میں یہی واقعہ مذکور ہے جس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات ان کی وفات کے بعد دافع البلاء ہیں خیال رہے مٹی سے جان پڑنا تبرکات سے فتح ہونا مافوق الاسباب مدد ہے۔

﴿۱﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط (پ ۹، الانفال: ۳۳) — اور اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دے گا حالانکہ آپ ان میں ہیں۔

﴿۲﴾ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ (پ ۲۶، الفتح: ۲۵) — اگر مسلمان مکہ سے نکل جاتے تو ہم کافروں پر عذاب بھیجتے۔

﴿۳﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (پ ۲۷، الذریت: ۳۵) — پس نکال دیا ہم نے قوم لوط کی بستی سے ان مومنوں کو جو وہاں تھے۔

ان آیات میں فرمایا کہ دنیا پر عذاب نہ آنے کی وجہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تشریف فرما ہونا ہے نیز مکہ والوں پر فتح مکہ سے پہلے اس لئے عذاب نہ آیا کہ وہاں کچھ غریب مسلمان تھے قوم لوط پر عذاب جب آیا تو مومنین کو وہاں سے پہلے ہی نکال دیا معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور مومنین کے طفیل سے عذاب الٰہی نہیں آتا۔ یہ حضرات دافع البلاء ہیں بلکہ آج بھی ہمارے اس قدر گناہوں کے باوجود جو عذاب نہیں آتا یہ سب اس سبز گنبد کی برکت سے ہے۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا

تمہیں حاکم برایا تمہیں قاسم عطایا ۔۔۔ تمہیں دافع بلایا تمہیں شافع خطایا
کوئی تم سا کون آیا

اعتراض: قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بہت دفعہ پیغمبروں نے کسی کو دعا یا بددعا دی۔ مگر قبول نہ ہوئی پھر وہ مشکل کشا، دافع البلا کیسے ہوئے؟

جواب: یہ حضرات اللہ کے حکم سے دافع البلاء اور مشکل کشا ہیں جہاں اذن الٰہی نہ ہو وہاں بلا دفع نہ ہوگی۔ ہر چیز کا یہی حال ہے کہ خدا کے حکم سے نفع یا نقصان دیتی ہے غرضیکہ انبیاء و اولیاء مافوق الاسباب مدد کرتے ہیں مشکلیں آسان، مصیبت دور فرماتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۳

تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی!

اللہ کے پیاروں کی زبان کن کی کنجی ہے جو ان کے منہ سے نکل جاتا ہے وہ اللہ کے حکم سے پورا ہو جاتا ہے۔ اس پر قرآن شریف کی آیتیں گواہ ہیں۔

﴿۱﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَکَ فِی الْحَیٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ص وَاِنَّ لَکَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ج (پ ۱۶، طٰہٰ: ۹۷)

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا جا تیری سزا دنیا کی زندگی میں یہ ہے کہ تو کہتا پھریگا کہ چھونہ جانا اور بے شک تیرے لئے ایک وعدے کا وقت ہے جو تجھ سے خلاف نہ ہوگا

موسیٰ علیہ السلام سامری سے ناراض ہوگئے کیونکہ اس نے بچھڑا بنا کر لوگوں کو مشرک کر دیا تھا تو آپ کے منہ سے نکل گیا جا تیرے جسم میں یہ تاثیر پیدا ہو جائے گی کہ جس سے تو چھو جاوے تو اسے بھی بخار آ جاوے اور تجھے بھی ایسا ہی ہوا اور وہ لوگوں سے کہتا پھرتا تھا کہ مجھے کوئی نہ چھونا اور فرمایا کہ یہ تو دنیا کی سزا ہے۔ آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے۔

﴿۲﴾ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ط قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ O (پ ۱۲، یوسف: ۴۱)

اور لیکن دوسرا قیدی پس سولی دیا جائیگا اور پھر پرندے اس کا سر کھائیں گے فیصلہ ہو چکا اس بات کا جس کا تم سوال کرتے ہو۔

یوسف علیہ السلام سے جیل میں ایک قیدی نے اپنا خواب بیان کیا آپ نے تعبیر دی کہ تجھے سولی ہوگی ۔ وہ بولا کہ میں نے خواب تو کچھ بھی نہ دیکھا تھا میں تو مذاق میں کہتا تھا آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو نے خواب دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو جو میرے منہ سے نکل گیا وہ رب تعالیٰ کے ہاں فیصلہ ہوگیا، پتا لگا کہ ان کی زبان رب کا قلم ہے۔

﴿۱﴾ رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰۤی اَمۡوَالِهِمۡ وَاشۡدُدۡ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡا حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ۝ (پ ۱۱، یونس: ۸۸)

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب فرعونیوں کے مال برباد کردے اور ان کے دل سخت کردے پس یہ نہ ایمان لاویں جب تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کے لئے تین بد دعائیں کیں ایک یہ کہ ان کے مال ہلاک ہو جائیں ۔ دوسرے اپنے جیتے جی یہ ایمان نہ لاویں ۔ تیسرے یہ کہ مرتے وقت ایمان لاویں اور پھر ایمان قبول نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ فرعونیوں کا روپیہ پیسہ، پھل، غلہ سب پتھر ہوگیا اور ایمان کی توفیق زندگی میں نہ ملی ۔ اور ڈوبتے وقت فرعون ایمان لایا اور بولا: اٰمَنۡتُ بِرَبِّ مُوۡسٰی وَهٰرُوۡنَ میں حضرت موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لاتا ہوں مگر ایمان قبول نہ ہوا۔ دیکھو فرعون کے سوا کوئی کافر قوم ایمان لاکر نہ مری جو کلیم اللہ علیہ السلام کے منہ سے نکلا وہ ہی ہوا۔

﴿۱﴾ وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ (پ ۱، البقرۃ: ۱۲٦)

جب ابراہیم نے عرض کیا کہ مولیٰ اس جگہ کو امن والا شہر بنادے اور یہاں کے باشندوں کو طرح طرح کے پھل دے۔

﴿۲﴾ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ ۠ (پ ۱، البقرۃ: ۱۲۸)

ابراہیم نے دعا کی کہ ہماری اولاد میں ہمیشہ ایک جماعت فرمانبردار رکھ۔

﴿۳﴾رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِکَ (پ ۱، البقرۃ: ۱۲۹)

اے رب ہمارے اسی مسلم جماعت میں وہ رسول آخری بھیج جوان پر تیری آیتیں تلاوت کرے۔

﴿٤﴾رَبَّنَاۤ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ○ (پ ۱۳، ابراھیم: ۳۷)

اے میرے رب میں نے اپنی کچھ اولاد ایک جنگل میں بسائی ہے جس میں کھیتی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پاس اے رب ہمارے اس لئے کہ نماز قائم رکھیں تو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے اور انہیں کچھ پھل کھانے کو دے شائد وہ احسان مانیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی حسب ذیل دعاؤں کا ذکر فرمایا:
﴿۱﴾اس جنگل کو شہر بنادے ﴿۲﴾شہر امن والا ہو ﴿۳﴾ یہاں کے باشندوں کو روزی اور پھل دے ﴿٤﴾ ہماری اولاد سب کافر نہ ہوجائے۔ ہمیشہ کچھ مسلمان ضرور رہیں ﴿۵﴾ اس مومن اولاد میں نبی آخر الزمان پیدا ہوں ﴿٦﴾ لوگوں کے دل اس بستی کی طرف مائل فرمادے۔ ﴿۷﴾ یہ لوگ نماز قائم رکھیں۔

آج بھی دیکھ لو کہ یہ سات دعائیں کیسی قبول ہوئیں۔ وہاں آج تک مکہ شریف آباد ہے آپ کی ساری اولاد کافر نہ ہوئی سید صاحبان سب گمراہ نہیں ہوسکتے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسی مومن جماعت میں پیدا ہوئے۔ وہاں باوجود یکہ کھیتی باڑی نہیں مگر رزق اور پھل کی کثرت ہے ہر جگہ قحط سے لوگ مرتے ہیں مگر وہاں آج

تک کوئی قحط سے نہیں مرا مسلمانوں کے دل مکہ شریف کی طرف کیسے مائل ہیں وہ دن رات دیکھنے میں آرہا ہے کہ فاسق وفاجر بھی مکہ پر فدا ہیں۔

نوٹ ضروری: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منہ سے نکل گیا کہ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ بے کھیتی والا جنگل تاثیر تو دیکھو کہ اب تک وہ جگہ ریتلی ہی ہے کہ وہاں کھیتی ہوسکتی ہی نہیں۔ یہ ان کی زبان کی تاثیر ہے۔ اور کیوں نہ ہو رب تعالیٰ نے فرمایا: اپنا لڑکا ذبح کردو۔ عرض کیا: بہت اچھا۔ فرمایا: اپنے کو نمرود کی آگ میں ڈال دو۔ عرض کیا: بہت اچھا۔ فرمایا: اپنے بچے بیوی کو ویران جنگل میں بے آب ودانہ چھوڑ آؤ۔ عرض کیا: بہت اچھا۔ یہ نہ پوچھا کہ کیوں؟ جب وہ رب تعالیٰ کی اتنی مانتے ہیں تو رب تعالیٰ بھی ان کی مانتا ہے۔ خلیل نے کہا جلیل نے مانا غرضکہ انکی زبان کن کی کنجی ہے۔

﴿۱﴾ وَقَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا ﴿﴾ اِنَّکَ اِنۡ تَذَرۡہُمۡ یُضِلُّوۡا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا ﴿﴾ رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنۡ دَخَلَ بَیۡتِیَ مُؤۡمِنًا وَّلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا تَبَارًا (پ ۲۹، نوح: ۲۶-۲۸)	اور نوح نے عرض کیا کہ اے رب میرے زمین پر کافروں میں سے کوئی رہنے والا نہ چھوڑ، بے شک اگر تو انہیں چھوڑے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کردیں گے اور نہ جنیں گے مگر بدکار ناشکر کو۔ اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کو اور کافروں کو نہ بڑھا مگر تباہی

سورۂ نوح کی ان آخری تین آیتوں میں نوح علیہ السلام کی تین دعائیں ذکر

ہوئیں۔سارے کافروں کو ہلاک کردے کہ اب ان کی اولاد بھی کافر ہی ہوگی۔میری اور میرے ماں باپ کی مغفرت کر اور جو میرے گھر میں پناہ لے لے اسے بھی بخش دے۔ان دعاؤں کو رب تعالیٰ نے حرف بحرف قبول فرمایا۔سارے عالم کے کافر غرق کردیے گئے۔آپ کے ماں باپ کی مغفرت کی گئی اور جس نے کشتی میں پناہ لی اسے بچالیا گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ نے نبوت کی عینک سے ان کی ہونے والی اولاد تک کا حال معلوم کرلیا کہ وہ کافر ہی ہوگی۔خلاصہ یہ ہوا کہ ان حضرات کی زبانیں ''کن'' کی کنجی ہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی جو دعا ارادہ الٰہی کے خلاف ہوتی ہے اس سے انہیں روک دیا جاتا ہے تاکہ ان کی زبان خالی نہ جاوے اور یہ انتہائی عظمت ہوتی ہے۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ج اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ج وَاِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ۝ (پ۱۲،ھود:۷۶)

اے ابراہیم اس دعا سے اعراض کرو قوم لوط پر عذاب آنے والا ہے نہیں لوٹ سکتا۔

﴿۲﴾ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ط (پ۱۰،التوبۃ:۸۴)

آپ منافقین میں سے کسی پر جو مرجائے نماز نہ پڑھیں اور اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں۔

ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط کے لئے دعا فرمائی لیکن چونکہ ان کی نجات ارادہ الٰہی کے خلاف تھی لہٰذا انہیں اس سے روک دیا گیا۔ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو

منافق پر جنازہ سے روک دیا گیا کیونکہ اس نماز میں میت کے لئے دعا بخشش ہوتی ہے اور منافقین کی بخشش ارادۂ الٰہی کے خلاف ہے لہٰذا آپ کو اور آپ کے صدقے سے سب کو اس سے منع کر دیا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات کی دعا قبول ہو تو بھی ان کی عظمت اور اگر ان کی دعا کسی وجہ سے قبول نہ بھی ہو سکے تو بھی ان کی عظمت ہے، ان کی مثل کوئی ہو سکتا ہی نہیں۔

مسئلہ نمبر ۴

محبوبانِ خدا دور سے سنتے دیکھتے ہیں۔

اللہ کے پیارے بندے نزدیک و دور کی چیزیں دیکھتے ہیں اور دور کی آہستہ آواز بھی باذنِ الٰہی سنتے ہیں۔ قرآن کریم اس پر گواہ ہے۔

﴿۱﴾ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ○ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا (پ ۱۹، النمل: ۱۸، ۱۹)

ایک چیونٹی بولی کہ اے چیونٹیو اپنے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تو سلیمان اس چیونٹی کی آواز سن کر مسکرا کر ہنسے۔

چیونٹی کی آواز نہایت باریک جو ہم کو قریب سے بھی معلوم نہیں ہوتی حضرت سلیمان علیہ السلام نے کئی میل دور سے سنی کیونکہ وہ اس وقت چیونٹیوں سے کہہ رہی تھی جب آپ کا لشکر ابھی اس جنگل میں داخل نہ ہوا تھا اور لشکر تین میل میں تھا تو آپ نے یہ آواز یقیناً تین میل سے زیادہ فاصلہ سے سنی۔ رہا چیونٹیوں کا یہ کہنا کہ ''وہ بے خبری

میں کچل دیں۔" اس سے مراد بے علمی نہیں ہے بلکہ ان کا عدل وانصاف بتانا مقصود ہے کہ وہ بے قصور چیونٹی کو بھی نہیں مارتے۔ اگر تم کچلی گئیں تو اس کی وجہ صرف ان کی بے توجہی ہوگی کہ تمہارا خیال نہ کریں اور تم کچلی جاؤ۔

﴿۱﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ (پ ۱۳، یوسف: ۹۴)

جب قافلہ مصر سے جدا ہوا یہاں ان کے باپ نے کہا کہ بے شک میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں اگر تم مجھے سٹھا ہوا نہ کہو۔

یعقوب علیہ السلام کنعان میں ہیں اور یوسف علیہ السلام کی قمیص مصر سے چلی ہے اور آپ نے خوشبو یہاں سے پالی۔ یہ نبوت کی طاقت ہے۔

﴿۲﴾ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ط (پ ۱۹، النمل: ۴۰)

اس نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس حاضر کردوں گا آپ کے پلک مارنے سے پہلے۔

آصف شام میں ہیں اور بلقیس کا تخت یمن میں اور فوراً لانے کی خبر دے رہے ہیں اور لانا جانے کے بغیر ناممکن ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ اس تخت کو یہاں سے دیکھ رہے ہیں یہ ہے ولی کی نظر۔

﴿۳﴾ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ لا فِیْ بُیُوْتِكُمْ ط (پ ۳، اٰل عمرٰن: ۴۹)

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں اس کی جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو جمع کرتے ہو۔

عیسیٰ علیہ السلام کی آنکھ گھروں کے اندر جو ہورہا ہے اسے دور سے دیکھ رہی ہے کہ کون کھا رہا ہے اور کیا رکھ رہا ہے یہ ہے نبی کی قوت نظر۔

﴿٤﴾ اِنَّهٗ يَرٰكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ط (پ۸،الاعراف:۲۷) وہ ابلیس اوراس کا قبیلہ تم سب کو دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھتے۔

﴿۱﴾ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ.(پ۲۱،السجدة:۱۱) فرمادو تم سب کو موت کا فرشتہ موت دیگا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔

شیطان اوراس کی ذریت کو گمراہ کرنے کے لئے ، ملک الموت کو جان نکالنے کے لئے یہ طاقت دی کہ عالم کے ہر انسان بلکہ ہر جاندار کو دیکھ لیتے ہیں تو انبیاء واولیاء کو جو رہبر وہادی ہیں سارے عالم کی خبر ہونا لازم ہے تاکہ دوا کی طاقت بیماری سے کم نہ ہو۔

﴿۲﴾ وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ (پ۱۷،الحج:۲۷) اورلوگوں کو حج کا اعلان سنا دو وہ آئیں گے تمہارے پاس پیدل اور ہر اونٹنی پر۔

ابراہیم علیہ السلام کی آواز تمام انسانوں نے سنی جو قیامت تک ہونے والے ہیں۔

﴿۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○(پ۷،الانعام:۷۵) اوراس طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں آسمانوں اورزمین کی بادشاہت اوراس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں سے ہوجائیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کی آنکھوں کو رب تعالیٰ نے وہ بینائی بخشی کہ انہوں نے "تحت الثرٰی" سے "عرش اعلیٰ" تک دیکھ لیا۔ کیونکہ خدا کی بادشاہی تو ہر جگہ ہے اور ساری بادشاہی انہیں دکھائی گئی۔

﴿٤﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ○(پ۳۰،الفيل:۱) کیا نہ دیکھا آپ نے کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا؟

﴿۱﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ (پ ۳۰، الفجر: ۶)
کیا نہ دیکھا آپ نے اے محبوب کہ آپ کے رب نے قوم عاد سے کیا کیا؟

اصحاب فیل کی تباہی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت شریف سے چالیس دن پہلے ہے اور قوم عاد و ثمود پر عذاب آنا حضور کی ولادت شریف سے ہزاروں برس پہلے ہے لیکن ان دونوں قسم کے واقعوں کے لئے رب تعالیٰ نے استفہام انکاری کے طور پر فرمایا: ''اَلَمْ تَرَ'' کیا آپ نے یہ واقعات نہ دیکھے یعنی دیکھے ہیں معلوم ہوا کہ نبی کی نظر گذشتہ آئندہ سب کو دیکھتی ہے اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کی رات دوزخ میں مختلف قوموں کو عذاب پاتے دیکھا۔ حالانکہ ان کا عذاب پانا قیامت کے بعد ہوگا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿۲﴾ سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (پ ۱۵، بنی اسرآء یل: ۱)
پاک ہے وہ اللہ جو راتوں رات لے گیا اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھائیں بے شک وہ بندہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نظر نے اگلے پچھلے واقعات، اللہ کی ذات، صفات، نشانیاں، قدرت سب کو دیکھا۔

اعتراض: یعقوب علیہ السلام کی نظر اور قوت شامہ اگر اتنی تیز تھی کہ مصر کے حالات معلوم کر لیئے تو چالیس سال تک فراق یوسف میں کیوں روتے رہے ان کے رونے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یوسف علیہ السلام سے بے خبر تھے۔

جواب: اس کا آسان جواب تو یہ ہے کہ انبیاء کی تمام قوتیں اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہیں جب چاہتا ہے تب انہیں ادھر متوجہ کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے ادھر متوجہ نہیں فرماتا۔ بے علمی اور ہے بے توجہی کچھ اور۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام کا گریہ عشق الٰہی میں تھا یوسف علیہ السلام اس کا سبب ظاہری تھے مجاز حقیقت کا پل ہے ورنہ آپ یوسف علیہ السلام کے ہر حال سے واقف تھے خود قرآن کریم نے ان کے کچھ قول ایسے نقل فرمائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتے تھے۔ فرماتا ہے۔

﴿۱﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ وَاَعۡلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۶﴾ یٰبَنِیَّ اذۡہَبُوۡا فَتَحَسَّسُوۡا مِنۡ یُّوۡسُفَ وَاَخِیۡہِ وَلَا تَایۡـَٔسُوۡا مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰہِ ؕ (پ۱۳، یوسف: ۸۶، ۸۷)	میں اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ سے کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اے بچو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ سے ناامید نہ ہو۔
﴿۲﴾ عَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّاۡتِیَنِیۡ بِہِمۡ جَمِیۡعًا ؕ (پ۱۳، یوسف: ۸۳)	قریب ہے کہ اللہ ان تینوں یہودا، بنیامین، یوسف کو میرے پاس لائے گا۔

پہلی آیت میں فرمایا گیا کہ برادران یوسف علیہ السلام بنیامین کو مصر میں چھوڑ کر آئے تھے مگر آپ فرماتے ہیں یوسف اور اس کے بنیامین بھائی کا سراغ لگاؤ یعنی وہ دونوں ایک ہی جگہ ہیں دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ دوبارہ مصر میں بظاہر یہودا اور بنیامین دونوں گئے تھے مگر آپ فرماتے ہیں کہ اللہ ان تینوں کو میرے پاس لائے گا تیسرے کون تھے وہ یوسف علیہ السلام ہی تو تھے۔

﴿۳﴾وَ کَذٰلِکَ یَجۡتَبِیۡکَ رَبُّکَ وَ یُعَلِّمُکَ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ (پ ۱۲،یوسف:٦) اے یوسف تمہیں اللہ اسی طرح نبوت کے لئے چنے گا اور تمہیں باتوں کا انجام بتائے گا۔

خود تعبیر دے چکے ہیں کہ تم نبی بنو گے اور علم تعبیر دیئے جاؤ گے اور ابھی تک وہ تعبیر ظاہر نہ ہوئی تھی اور آپ جانتے تھے کہ یہ خواب سچا ہے ضرور ظاہر ہوگا۔

اعتراض: حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلقیس کے ملک کی خبر نہ ہوئی ہدہد نے کہا

اَحَطۡتُّ بِمَا لَمۡ تُحِطۡ بِہٖ وَ جِئۡتُکَ مِنۡ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیۡنٍ ﴿۲۲﴾ (پ ۱۹،النمل:۲۲) میں وہ بات دیکھ آیا ہوں جو آپ نے نہ دیکھی اور میں آپ کے پاس سبا سے سچی خبر لایا ہوں۔

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

قَالَ سَنَنۡظُرُ اَصَدَقۡتَ اَمۡ کُنۡتَ مِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۲۷﴾ (پ ۱۹،النمل:۲۷) فرمایا اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔

اگر آپ ملک بلقیس سے واقف ہوتے تو بلقیس کے پاس خط بھیج کر یہ تحقیق کیوں فرماتے کہ ہدہد سچا ہے یا جھوٹا معلوم ہوا کہ آپ بلقیس سے بے خبر تھے اور ہدہد خبر دار تھا پتا لگا کہ نبی کے علم سے جانور کا علم زیادہ ہوسکتا ہے۔ (وہابی دیوبندی)

جواب: ان آیات میں رب تعالیٰ نے کہیں نہ فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام کو علم نہ تھا ہدہد نے بھی آکر یہ نہ کہا کہ آپ کو بلقیس کی خبر نہیں وہ کہتا ہے اَحَطۡتُّ بِمَا لَمۡ تُحِطۡ میں وہ چیز دیکھ کر آیا جو آپ نے نہ دیکھی۔ یعنی نہ آپ وہاں گئے تھے نہ دیکھ کر آئے تھے۔ یہ کہاں سے پتا لگا کہ آپ بے خبر بھی تھے اگر بے خبر ہوتے تو جب آصف کو حکم دیا کہ بلقیس کا تخت لاؤ تو آصف نے کہا کہ حضور میں نے وہ جگہ دیکھی نہیں نہ مجھے خبر ہے کہ

اس کا تخت کہاں رکھا ہے آپ ہدہد کو میرے ساتھ بھیجیں وہ راستہ دکھائے تو میں لادوں گا نہ کسی سے راستہ پوچھا نہ پتا دریافت کیا بلکہ آناً فاناً حاضر کر دیا۔ اگر وہ تخت ان کی نگاہوں کے سامنے نہ تھا تو لے کیسے آئے جب آصف کی نگاہ سے تخت غائب نہیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے کیسے غائب ہوگا۔ مگر ہر کام کا ایک وقت اور ایک سبب ہوتا ہے بلقیس کے ایمان لانے کا یہ ہی وقت تھا اور ہدہد کو اس کا سبب بنانا منظور تھا تا کہ پتا لگے کہ پیغمبروں کے درباری جانور بھی لوگوں کو ایمان دیا کرتے ہیں اس لیے اس سے پہلے آپ کو بلقیس کی خبر نہ دی۔ آپ کا تحقیق فرمانا بے علمی کی دلیل نہیں ورنہ رب تعالیٰ بھی قیامت میں تمام مخلوق کے اعمال کی تحقیق فرما کر فیصلہ کرے گا۔ تو چاہیے کہ وہ بھی بے خبر ہو۔

مسئلہ نمبر ۵

مردے سنتے ہیں اور محبوبین بعد وفات مدد کرتے ہیں

اس مسئلہ کی تحقیق پہلے بابوں میں ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ مردے سنتے ہیں اور زندوں کے حالات دیکھتے ہیں کچھ اجمالی طور سے یہاں عرض کیا جاتا ہے۔

﴿۱﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ (پ۸، الاعراف: ۷۸۔۷۹)	پس پکڑ لیا قوم صالح کو زلزلے نے تو وہ صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے پھر صالح نے ان سے منہ پھیرا اور کہا کہ اے میری قوم میں نے تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچا دی اور تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔

﴿۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ج فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝ (پ ۹، الاعراف: ۹۳)

تو شعیب نے ان مرے ہوؤں سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم میں تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچا چکا اور تمہیں نصیحت کی تو کیوں کر غم کروں کافروں پر۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ صالح علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام نے ہلاک شدہ قوم پر کھڑے ہو کر ان سے یہ باتیں کیں۔

﴿۳﴾ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ ق اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝

ان رسولوں سے پوچھو جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے کیا ہم نے رحمٰن کے سوا اور خدا ٹھہرائے ہیں جو پوجے جاویں۔

(پ ۲۵، الزخرف: ۴۵)

گزشتہ نبی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں وفات پا چکے تھے فرمایا جا رہا ہے کہ وفات یافتہ رسولوں سے پوچھو کہ ہم نے شرک کی اجازت نہ دی تو ان کی امتیں ان پر تہمت لگا کر کہتی ہیں کہ ہمیں شرک کا حکم ہمارے پیغمبروں نے دیا ہے۔

اگر مردے نہیں سنتے تو ان سے پوچھنے کے کیا معنی ؟ بلکہ اس تیسری آیت سے تو یہ معلوم ہوا کہ خاص بزرگوں کو مردے جواب بھی دیتے ہیں اور وہ جواب بھی سن لیتے ہیں۔ اب بھی کشف قبور کرنے والے مردوں سے سوال کر لیتے ہیں۔ اس لئے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے مقتول کافروں سے پکار کر فرمایا کہ بولو میرے تمام فرمان سچے تھے یا نہیں۔ فاروق اعظم نے عرض کیا کہ بے جان مردوں سے آپ کلام کیوں فرماتے ہیں تو فرمایا وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔ (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب فی عذاب القبر، الحدیث ۱۳۷۰، ج ۱، ص ۴۶۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

دوسری روایت میں ہے کہ دفن کے بعد جب زندے واپس ہوتے ہیں تو مردہ ان کے پاؤں کی آہٹ سنتا ہے۔(مکاشفة القلوب،الباب الخامس والاربعون فی بیان القبر وسؤاله،ص ۱۷۱،دار الکتب العلمیة بیروت)

اسی لئے ہم نمازوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرتے ہیں اور کھانا کھانے والے، استنجا کرنے والے، سوتے ہوئے کو سلام کرنا منع ہے کیونکہ وہ جواب نہیں دے سکتے تو جو جواب نہ دے سکے اسے سلام کرنا منع ہے اگر مردے نہ سنتے ہوتے تو قبرستان جاتے وقت انہیں سلام نہ کیا جاتا اور نماز میں حضور کو سلام نہ ہوتا۔

ضروری ہدایت: زندگی میں لوگوں کی سننے کی طاقت مختلف ہوتی ہے بعض قریب سے سنتے ہیں جیسے عام لوگ اور بعض دور سے بھی سن لیتے ہیں جیسے پیغمبر اور اولیاء۔ مرنے کے بعد یہ طاقت بڑھتی ہے گھٹتی نہیں لہٰذا عام مردوں کو ان کے قبرستان میں جا کر پکار سکتے ہیں دور سے نہیں لیکن انبیاء واولیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو دور سے بھی پکار سکتے ہیں کیونکہ وہ جب زندگی میں دور سے سنتے تھے تو بعد وفات بھی سنیں گے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہر جگہ سے سلام عرض کرو مگر دوسرے مردوں کو صرف قبر پر جا کر دور سے نہیں۔

دوسری ہدایت: اگرچہ مرنے کے بعد روح اپنے مقام پر رہتی ہے لیکن اس کا تعلق قبر سے ضرور رہتا ہے کہ عام مردوں کو قبر پر جا کر پکارا جاوے تو سنیں گے مگر اور جگہ سے نہیں۔ جیسے سونے والا آدمی کہ اس کی ایک روح نکل کر عالم میں سیر کرتی ہے لیکن اگر اس کے جسم کے پاس کھڑے ہو کر آواز دو تو سنے گی۔ دوسری جگہ سے نہیں سنتی۔

اعتراض: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جو نماز وغیرہ میں سلام کیا جاوے اس میں یہ نیت نہ ہو کہ آپ سن رہے ہیں بلکہ جیسے کسی سے سلام کہلا کر بھیجتے ہیں یا کسی کو خط میں سلام لکھتے ہیں ایسے ہی سلام کیا جائے کیونکہ دور کے آدمی کا سلام فرشتے پہنچاتے ہیں اور پاس والے کا سلام خود حضور سنتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ (وہابی)

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ تمہارے عقیدے کے یہ بھی خلاف ہے کہ تم تو کہتے ہو کہ مردے سنتے ہی نہیں اور آیات پیش کرتے ہو اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر انور میں سے سن لیا تو تمہارے قول کے خلاف ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ جب کسی کے ہاتھ سلام کہہ کر بھیجتے ہیں تو اسے خطاب کر کے السلام علیکم نہیں کہتے بلکہ جانے والے کو کہتے ہیں کہ ہمارا سلام کہہ دینا ہم لوگ نماز وغیرہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خط تو لکھتے نہیں تمہارے قول کے مطابق فرشتوں سے کہلا کر بھیجتے ہیں تو اس صورت میں یہ نہ کہا جاتا کہ اے نبی تم پر سلام ہو بلکہ یوں کہا جانا چاہئے کہ اے فرشتو! حضور سے ہمارا سلام کہنا، خطاب فرشتوں سے ہونا چاہیے تھا۔ تیسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں یہ نہیں ہے کہ دور والے کا سلام نہیں سنتے صرف یہ ہے کہ دور والے کا سلام ملائکہ پیش کرتے ہیں ہوسکتا ہے کہ ملائکہ بھی پیش کرتے ہوں اور سرکار خود بھی سنتے ہوں، جیسے کہ فرشتے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں کے اعمال پیش کرتے ہیں تو خدا کیا ان کے اعمال خود نہیں جانتا ضرور جانتا ہے مگر پیشی بھی ہوتی ہے۔

اعتراض: مردے نہیں سنتے قرآن کریم فرما رہا ہے:

﴿۱﴾ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ۝ (پ ۲۲، فاطر: ۲۲) — تم قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔

﴿۲﴾ اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِیۡنَ ۝ وَمَآ اَنۡتَ بِھٰدِی الۡعُمۡیِ عَنۡ ضَلٰلَتِھِمۡ ط(پ ۲۰، النمل: ۸۰، ۸۱) پس تم نہیں سنا سکتے مردوں کو اور نہیں سنا سکتے بہروں کو پکار جب وہ پیٹھ دے کر پھریں اور نہ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ پر لاؤ۔

ان آیات میں صاف بتایا گیا کہ قبر والے اور مردے نہیں سنتے۔

جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ تم بھی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سننے کے قائل ہو کہ جو قبر انور پر سلام پڑھا جاوے وہ سرکار سن لیتے ہیں وہ بھی اس آیت کے خلاف ہوا۔ دوسرے یہ کہ آیت میں یہ بھی ہے کہ تم اندھوں کو گمراہی سے نہیں نکال سکتے حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے ہزاروں اندھے ہدایت پر آ گئے۔ تیسرے یہ کہ یہاں قبر والوں اور مردوں، اندھوں اور بہروں سے مراد وہ کفار ہیں جن پر مہر ہو چکی جن کے ایمان کی توقع نہیں اسے خود قرآن کریم بتا رہا ہے۔ چنانچہ تمہاری پیش کردہ انہی آیات کے آخر میں یہ ہے۔

﴿۱﴾ اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَھُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝(پ ۲۰، النمل: ۸۱) تم اس کو سناتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاویں اور وہ مسلمان ہوں۔

یہ سورۂ نمل اور سورۂ روم میں دونوں جگہ ہے اگر وہاں اندھے، بہرے، مردے سے مراد یہ اندھے اور مردے ہوتے تو ان کے مقابل ایمان اور اسلام کا ذکر کیوں ہوتا۔ پتا لگا کہ اس سے دل کے مردے، دل کے اندھے مراد ہیں۔ انہیں مردہ بہرہ اس لئے فرمایا کہ جیسے مردے پکار سے نفع اور نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ ایسے ہی یہ لوگ ہیں نیز قرآن کریم کافروں کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿۲﴾صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَo(پ ۱،البقرۃ:۱۸)

یہ کفار بہرے، گونگے، اندھے ہیں پس وہ نہ لوٹیں گے۔

﴿۳﴾اَوَ مَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَاؕ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْكٰفِرِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَo(پ ۸،الانعام:۱۲۲)

اور کیا وہ جو مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کردیا اور اس کے لئے ایک نور کردیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے وہ اس جیسا ہوگا جو اندھیروں میں ہے ان سے نکلنے والا نہیں یوں ہی کافروں کی آنکھ میں ان کے اعمال بھلے کردیئے گئے ہیں۔

اس آیت میں مردے سے مراد کافر، زندگی سے مراد ہدایت، اندھیروں سے مراد کفر، روشنی سے مراد ایمان ہے۔ یہ آیت تمہاری پیش کردہ آیات کی تفسیر ہے۔

﴿۴﴾مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِیْلًاo(پ ۱۵،بنی اسرآء یل:۷۲)

جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اور راستے سے بہکا ہوا ہے۔

اس میں بھی اندھے سے مراد دل کا اندھا ہے نہ کہ آنکھ کا اندھا، بہرحال جن آیتوں میں اندھوں، مردوں، بہروں کے نہ سننے نہ ہدایت پانے کا ذکر ہے۔ وہاں کفار مراد ہیں بلکہ مردے مدد بھی کرتے ہیں آیات ملاحظہ ہوں۔

﴿۱﴾وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗؕ(پ ۳،اٰل عمرٰن:۸۱)

اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے نبیوں کا عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس رسول تشریف لاویں جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کریں تو تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے عہد لیا کہ تم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا حالانکہ وہ پیغمبر آپ کے زمانہ میں وفات پا چکے تو پتا لگا کہ وہ حضرات بعد وفات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان بھی لائے اور روحانی مدد بھی کی چنانچہ سب نبیوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے معراج کی رات نماز پڑھی یہ اس ایمان کا ثبوت ہوا حج وداع میں بہت سے پیغمبر آپ کے ساتھ حج میں شریک ہوئے اور موسی علیہ السلام نے اسلام والوں کی مدد کی کہ پچاس نمازوں کی پانچ کرادیں آخر میں عیسی علیہ السلام بھی ظاہری مدد کے لئے آئیں گے اموات کی مدد ثابت ہوئی۔

﴿۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝ (پ ۵، النساء: ٦٤)

اور اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو تمہارے پاس آجاویں پھر خدا سے مغفرت مانگیں اور رسول بھی ان کیلئے دعاء مغفرت کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدد سے توبہ قبول ہوتی ہے اور یہ مدد زندگی سے خاص نہیں بلکہ قیامت تک یہ حکم ہے یعنی بعد وفات بھی ہماری توبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کی مدد سے قبول ہوگی بعد وفات مدد ثابت ہوئی ۔اسی لئے آج بھی حاجیوں کو حکم ہے کہ مدینہ منورہ میں سلام پڑھتے وقت یہ آیت پڑھ لیا کریں اگر یہ آیت فقط زندگی کے لئے تھی تو اب وہاں حاضری کا اور اس آیت کے پڑھنے کا حکم کیوں ہے۔

﴿۳﴾ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ○ (پ۱۷،الانبیاء:۱۰۷) اورنہیں بھیجا ہم نے آپ کومگر جہانوں کے لئے رحمت۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام جہانوں کی رحمت ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی جہان تو رہے گا اگر آپ کی مدد اب بھی باقی نہ ہوتو عالم رحمت سے خالی ہوگیا۔

﴿٤﴾ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا (پ۲۲،سبا:۲۸) اورنہیں بھیجا ہم نے آپ کومگر تمام لوگوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر۔

اس ''لِلنَّاسِ،، میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آئے اور آپ کی یہ مدد تا قیامت جاری ہے۔

﴿٥﴾ وَکَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ یَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَی الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ج فَلَمَّا جَآءَ ھُمۡ مَّا عَرَفُوۡا کَفَرُوۡا بِہٖ ز (پ۱،البقرة:۸۹) اور یہ بنی اسرائیل کافروں کے مقابلہ میں اسی رسول کے ذریعہ سے فتح کی دعا کرتے تھے پھر جب وہ جانا ہوا رسول ان کے پاس آیا تو یہ ان کا انکار کر بیٹھے۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے بھی لوگ آپ کے نام کی مدد سے دعائیں کرتے اور فتح حاصل کرتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدد دنیا میں آنے سے پہلے شامل حال تھی تو بعد بھی رہے گی اسی لئے آج بھی حضور کے نام کا کلمہ مسلمان بناتا ہے۔ درود شریف سے آفات دور ہوتی ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات سے فائدہ ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے تبرکات سے بنی اسرائیل جنگوں میں فتح حاصل کرتے تھے۔ یہ سب بعد وفات کی مدد ہے بلکہ

حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم! اب بھی بحیات حقیقی زندہ ہیں ایک آن کے لئے موت طاری ہوئی اور پھر دائمی زندگی عطا فرما دی گئی قرآن کریم تو شہیدوں کی زندگی کا بھی اعلان فرما رہا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ثبوت یہ ہے کہ زندوں کے لئے کہا جاتا ہے کہ فلاں عالم ہے، حافظ ہے، قاضی ہے اور مردوں کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ عالم تھا، زندوں کے لئے ''ہے'' اور مردوں کے لئے ''تھا'' استعمال ہوتا ہے۔ نبی کا کلمہ جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کی زندگی میں پڑھتے تھے وہی کلمہ قیامت تک پڑھا جاوے گا کہ حضور اللہ کے رسول ہیں۔ صحابہ کرام بھی کہتے تھے کہ حضور اللہ کے رسول ہیں۔ شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین ہیں اور ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں اگر آپ زندہ نہ ہوتے تو ہمارا کلمہ بدل جانا چاہیے تھا ہم کلمہ یوں پڑھتے کہ حضور اللہ تعالیٰ کے رسول تھے، جب آپ کا کلمہ نہ بدلا تو معلوم ہوا کہ آپ کا حال بھی نہ بدلا لہٰذا آپ اپنی زندگی شریف کی طرح ہی سب کی مدد فرماتے ہیں ہاں اس زندگی کا ہم کو احساس نہیں۔

مسئلہ نمبر ۶

یادگاریں قائم کرنا اور بڑی تاریخوں پر خوشیاں منانا

جس تاریخ یا جس دن میں کبھی کوئی نعمت آئی ہو تا قیامت وہ تاریخ معظم ہو جاتی ہے۔ اس تاریخ میں یادگاریں منانا، خوشیاں منانا، خوشی میں عبادتیں کرنا حکم قرآن ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (پ ۲، البقرۃ: ۱۸۵) — رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔

﴿۲﴾ اِنَّـآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝ وَمَـآ اَدۡرٰکَ مَا لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۝ لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ۝

بے شک ہم نے قرآن شب قدر میں اتارا اور تمہیں کیا خبر کہ شب قدر کیا ہے شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

(پ ۳۰، القدر: ۱۔۳)

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ شب قدر اور ماہ رمضان کی اتنی عظمت ہے کہ شب قدر تو ہزار ماہ سے افضل ہوگئی اور ماہ رمضان باقی مہینوں سے بہتر ہوگیا اور اس کا نام قرآن میں آیا اس کے سوا کسی مہینہ کا نام قرآن میں نہ آیا محض اس لئے کہ یہ مہینہ اور یہ رات قرآن کے نزول کا وقت ہے قرآن تو ایک دفعہ اتر چکا مگر ان کی یہ عظمت ہمیشہ کیلئے ہوگئی۔

﴿۳﴾ وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ ۝

اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

(پ ۳۰، الضحی: ۱۱)

﴿٤﴾ قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلۡیَفۡرَحُوۡا ؕ هُوَ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ۝ (پ ۱۱، یونس: ۵۸)

فرمادو کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ وہ ان کی دھن دولت سے بہتر ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جس تاریخ میں اللہ کی نعمت ملی ہو اس کی یادگار مناؤ، خوشیاں مناؤ۔

﴿۵﴾ وَذَکِّرۡهُمۡ بِاَیّٰمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ ۝ (پ ۱۳، ابراهیم: ۵)

اے موسیٰ بنی اسرائیل کو اللہ کے دن یاد دلا دو جن دنوں میں ان پر نعمتیں اتریں بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر والے شکر گزار کو۔

﴿٦﴾ قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوۡنُ لَنَا عِيۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰيَةً مِّنۡكَ ج (پ۷،المآئدۃ:۱۱۴)

عیسیٰ ابن مریم نے عرض کیا کہ یارب ہم پر آسمان سے دستر خوان اتار کہ وہ ہمارے لئے اگلوں پچھلوں کی عید ہو اور یہ تیری طرف سے نشانی ہو۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو انعامات کی تاریخیں یاد دلاتے رہو ان کی یادگاریں قائم کرو اور عیسیٰ علیہ السلام نے غیبی دستر خوان کے آنے کی تاریخ کو اپنے اگلے پچھلے سارے عیسائیوں کے لئے عید قرار دیا۔ لہٰذا میلاد شریف، گیارہویں شریف، بزرگوں کے عرس، فاتحہ، چالیسواں، تیجہ وغیرہ سب جائز ہیں کیونکہ یہ اللہ کی نعمت کی یادگاریں ہیں اور یادگاریں منانا حکم قرآنی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۷﴾ وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ

اللہ کی نعمت یاد کرو جو تم پر ہے۔

(پ٦،المآئدۃ:۷)

اعتراض: مسلم و بخاری کی روایت میں ہے کہ جمعہ کا روزہ نہ رکھو۔

(صحیح البخاری، کتاب الصوم،باب صوم یوم الجمعۃ،الحدیث ۱۹۸٤،ج۱،ص٦٥۲، دار الکتب العلمیۃبیروت) بعض روایتوں میں ہے کہ جمعہ کو روزے سے خاص نہ کرو۔

معلوم ہوا کہ کسی دن کی تعیین منع ہے۔ چونکہ میلاد اور عرس میں تاریخ مقرر ہوتی ہے لہٰذا منع ہے۔ (وہابی)

جواب: اس کا جواب اسی حدیث میں آگے ہے کہ اگر جمعہ کسی ایسی تاریخ میں آجائے جس کے روزے کے تم عادی ہو تو رکھو یعنی اگر کسی کی عادت بارہویں کے روزے کی ہے اور جمعہ بارہویں کو آگیا تو رکھ لے، نیز فرماتے ہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کہ ''صرف جمعہ کو روزہ نہ رکھے بلکہ آگے پیچھے ایک دن اور بھی ملائے'' معلوم ہوا کہ مقرر کرنا منع نہیں بلکہ جمعہ کے روزہ کی ممانعت ہے ممانعت کی وجہ کچھ اور ہے۔ کیا وجہ ہے؟ اس کے متعلق علماء کے بہت سے قول ہیں ایک یہ بھی ہے کہ جمعہ مسلمانوں کی عید ہے اور عید کو روزہ منع ہوتا ہے اس مناسبت سے اس کا روزہ منع ہے یعنی یہ مشابہ عید کے ہے دوسرے یہ کہ جمعہ کا دن کام کاج کا ہے غسل کرنا، کپڑے تبدیل کرنا، جمعہ کی تیاری کرنا، خطبہ سننا، نماز جمعہ پڑھنا، ممکن ہے کہ روزے کی وجہ سے تکلیف ہو لہٰذا ان کاموں کی وجہ سے روزہ نہ رکھے جیسے حاجی کو نویں تاریخ بقرعید کا روزہ اور حاجی کو بقرعید کی نماز مکروہ ہے اس لئے کہ وہ دن اس کے کام کے ہیں روزے سے اس کے کاموں میں حرج ہوگا۔ تیسرے یہ کہ صرف جمعہ کے روزے میں یہود سے مشابہت ہے کہ وہ صرف ہفتہ کا روزہ رکھتے ہیں تم اگر جمعہ کا روزہ رکھو تو آگے پیچھے ایک دن اور ملا لو تا کہ مشابہت نہ رہے۔ چوتھے یہ کہ خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ دوشنبہ کا روزہ کیسا ہے فرمایا کہ اسی دن ہماری ولادت ہے اسی دن نزول وحی کی ابتداء ہوئی۔ لہٰذا روزہ رکھو اور خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ اسی خوشی میں رکھا کہ اس تاریخ میں موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی اگر یادگاریں منانا برا ہوتا تو یہ یادگاریں کیوں منائی جاتیں؟

اعتراض: چونکہ میلاد شریف اور عرس میں لوگ بہت حرام کام بھی کرتے ہیں لہٰذا یہ منع ہے۔

جواب: قاعدہ غلط ہے کوئی سنت حرام کام کے ملنے سے ناجائز نہیں ہو جاتی نکاح سنت ہے مگر لوگوں نے اس میں ہزاروں خرافات ملا دیں تو نکاح کو نہیں روکا جاتا بلکہ ان چیزوں سے منع کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۷

بزرگوں کی جگہ کی تعظیم اور وہاں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے

جس جگہ کوئی ولی رہتے ہوں یا رہے ہوں یا کبھی بیٹھے ہوں وہ جگہ حرمت والی ہے، وہاں عبادت اور دعا زیادہ قبول ہوتی ہے اس کی تعظیم کرو، دعا مانگو۔ رب تعالٰی فرماتا ہے:

﴿۱﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (پ ۱، البقرة: ۵۸)

اور یاد کرو جب ہم نے کہا کہ داخل ہو تم اس بستی میں پھر اس میں جہاں چاہو بے روک ٹوک خوب کھاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور نیکی والوں کو اور زیادہ دیں گے۔

اس آیت میں بتایا گیا کہ جب بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہونے کا وقت آیا تو ان سے کہا گیا کہ بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے گھسو اور گناہ کی معافی مانگو، بیت المقدس نبیوں کی بستی ہے اس کی تعظیم کرائی گئی کہ سجدہ کرتے ہوئے جاؤ اور وہاں جا کر توبہ کرو۔

﴿۲﴾ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ (پ ۴، اٰل عمرٰن: ۹۷)

جو اس مکہ میں داخل ہو گیا امن والا ہو گیا۔

﴿۳﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ (پ ۲۱،العنکبوت:۶۷)

کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے حرم شریف کو امن والا بنایا اوران کے آس پاس کے لوگ اچک لئے جاتے ہیں کیا باطل پر ایمان لاتے ہیں اوراللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

ان آیتوں سے پتہ چلا کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی بستی جو کعبہ معظّمہ کا شہر ہے بہت حرمت والا اور عظمت والا ہے۔

﴿۴﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِیَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۝ (پ۳،اٰل عمرٰن:۳۸)

وہاں مریم کے پاس زکریا نے دعا مانگی عرض کیا کہ اے رب مجھے اپنی طرف سے ستھری اولاد دے بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔

﴿۵﴾ قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا ۝ (پ۱۵،الکھف:۲۱)

اور جو اس معاملہ پر غالب آئے وہ بولے کہ ہم اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کھڑے ہوکر اولاد کی دعا مانگی تاکہ قرب ولی کی وجہ سے دعا جلد قبول ہو اور مسلمانوں نے اصحاب کہف کے غار پر مسجد بنائی تاکہ ان کی برکت سے زیادہ قبول ہوا کرے۔

﴿۶﴾ لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ (پ۳۰،البلد:۱۔۲)

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی جبکہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔

﴿۷﴾ وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ ۙ وَطُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ ۙ وَھٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ ۙ

قسم ہے انجیر کی، زیتون کی اور طور سینا پہاڑ کی اور اس امانت والے شہر کی۔

(پ ۳۰،التین: ۱ ـ ۳)

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جس جگہ اللہ کے بندے ہوں وہ جگہ ایسی حرمت والی ہوجاتی ہے کہ اس کی رب قسم فرماتا ہے۔

ان آیات سے یہ بھی پتہ لگا کہ بزرگوں کے چلّے جہاں انہوں نے عبادت کی وہاں جا کر نماز پڑھنا، دعا کرنا، اس جگہ کی تعظیم کرنا باعث ثواب ہے اسی لئے مدینہ منورہ میں ایک عبادت کا ثواب پچاس ہزار ہے اور مکہ مکرمہ میں ایک کا ثواب ایک لاکھ۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ جگہ اللہ کے پیاروں کی ہے، ریل اگرچہ مساوی لائن سے گزرتی ہے مگر ملتی صرف اسٹیشن پر ہے، اللہ کے بندوں کی جگہ رحمت خدا کے اسٹیشن ہیں۔

مسئلہ نمبر ۸

سچے مذہب کی پہچان

اسلام میں آج بہت سے فرقے ہیں اور ہر فرقہ اپنے کو حق کہتا ہے اور ہر ایک قرآن سے اپنا مذہب ثابت کرتا ہے۔ قرآن سے پوچھو کہ سچا مذہب کون ہے وہ فرماتا ہے:

﴿۱﴾ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ ۝

اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

(پ ۱۱،التوبۃ: ۱۱۹)

﴿٢﴾ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ o صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ لا (پ ۱،الفاتحۃ:۵۔٦)	ہم کو سیدھے رستے کی ہدایت دے اور ان کا رستہ جن پر تو نے انعام کیا۔
﴿٣﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ ط (پ۷،الانعام: ۹۰)	یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی تو تم ان ہی کی راہ پر چلو۔
﴿٤﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَاِلٰہَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ (پ ۱،البقرۃ: ۱۳۳)	اولاد یعقوب نے کہا کہ ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم اسمٰعیل اسحاق کے معبودوں کو پوجیں گے۔
﴿٥﴾ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (پ ۲۱،الاحزاب: ۲۱)	تمہارے لئے اللہ کے رسول میں اچھی پیروی ہے۔
﴿٦﴾ قُلْ بَلْ مِلَّۃَ اِبْرٰھٖمَ حَنِیْفًا ط (پ ۱،البقرۃ: ۱۳۵)	فرمادو بلکہ ہم پیروی کریں گے ابراہیم کے دین کی جو ہر برائی سے دور ہے۔
﴿٧﴾ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ ط وَسَآءَتْ مَصِیْرًا (پ ۵،النسآء: ۱۱۵)	اور جو رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ حق اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

﴿۸﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًاؕ (پ ٢،البقرة:١٤٣)

اور ایسے ہی ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تم پر نگہبان گواہ ہیں۔

ان مذکورہ آیتوں سے معلوم ہوا کہ سچے مذہب کی پہچانیں دو ہیں ایک تو یہ کہ اس مذہب میں سچے لوگ یعنی اولیاء اللہ، صالحین، علماء ربانی ہوں، دوسرے یہ کہ وہ عام مومنین کا مذہب ہو، چھوٹے چھوٹے فرقے جن میں اولیاء صالحین نہیں وہ غلط راستے ہیں اس آیت کی تفسیر وہ حدیث ہے اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ (المستدرک للحاکم، کتاب العلم، باب من شذ شذ فی النار،الحدیث ٤٠٤،ج١،ص٣١٧، دار المعرفة بیروت) بڑے گروہ کی پیروی کرو یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے اب تک جس مذہب پر عام مسلمان رہے ہوں وہ قبول کرو۔ یہ دونوں علامتیں آج صرف مذہب اہل سنت میں پائی جاتی ہیں۔ شیعہ، وہابی، دیوبندی، چکڑالوی میں نہ اولیاء اللہ تھے نہ ہیں۔ تمام چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی اسی سنی مذہب میں گزرے ہیں اور اسی مذہب میں آج ہیں نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم، ان سے حاجتیں مانگنا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب ماننا وغیرہ تمام چیزیں عام مسلمان کا مذہب رہا اور ہے۔ اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔

لطیفہ: ہر قوم کی تاریخ اس کے نام سے معلوم کرو، قوموں کے موجودہ نام تاریخی نام ہیں ہم اس پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔

مرزائی: اس فرقہ کی پیدائش مرزا غلام احمد قادیانی کے وقت سے ہے یعنی

بارہویں صدی کی پیداوار ہے اس جماعت کی عمر سو برس ہے۔

چکڑالوی: اس فرقہ کی پیدائش عبداللہ چکڑالوی پنجابی کے وقت سے ہوئی یعنی اس کی عمر ایک سو پندرہ سال ہے۔

اثنا عشری شیعہ: اس فرقہ کی پیدائش بارہ اماموں کے وقت سے ہوئی کیونکہ اثنا عشر کے معنی ہیں بارہ امام، جب بارہ امام پیدا ہوئے تو یہ فرقہ ظہور میں آیا اس لئے اس کی عمر تقریباً گیارہ سو برس ہے یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے تین سو سال بعد میں ہوا، خیال رہے کہ ان شیعہ کے عقیدہ میں امام مہدی پیدا ہو چکے ہیں جو قرآن لے کر چھپ گئے ہیں قریب قیامت آئیں گے۔

وہابی: خواہ دیوبندی ہوں یا غیر مقلد اس فرقے کی پیداوار عبدالوہاب نجدی کے وقت میں ہوئی لہذا اس کی عمر ایک سو پچھتر سال ہے یعنی گیارہویں صدی میں پیدا ہوا۔

بابی، بہائی: ان دونوں فرقوں کی پیداوار بہاء اللہ اور عبداللہ باب کے زمانہ میں ہوئی ان کی عمر سو برس سے بھی کم ہے۔

اہل سنت والجماعت: جب سے سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم دنیا میں آئی تب سے یہ مذہب آیا یعنی جو عمر سنت رسول اللہ کی ہے وہی اس مذہب کی ہے اور چونکہ مسلمانوں کی عام جماعت کا یہی مذہب ہے لہذا اس فرقے کا نام ہوا اہل سنت وجماعت یعنی سنت رسول اور جماعت مسلین والا فرقہ۔

قرآن پاک کی مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ یہ ہی فرقہ حق ہے اگر چہ قرآن

پاک کا ترجمہ سب کرتے ہیں حدیثیں سب دبائے پھرتے ہیں اور علماء سارے فرقوں میں ہیں مگر صادقین یعنی اولیاء کاملین ، حضور غوث پاک ، خواجہ اجمیر ، خواجہ بہاؤالدین نقشبند، شیخ شہاب الدین سہروردی گزشتہ اولیاء اللہ اور موجودہ اولیاء کرام ، تونسہ شریف ، سیال شریف ، گولڑہ شریف ، علی پور شریف ، بٹالہ شریف وغیرہ تمام آستانے والے اسی مذہب پر ہیں ۔ لہذا ان آیات نے صاف طور پر بتایا کہ یہ ہی مذہب حق ہے ۔ اللہ تعالیٰ اسی پر ہم سب کو رکھے اور اسی پر خاتمہ کرے ۔ آمین

مسئلہ نمبر ۹

دم درود کرنا، پڑھ کر پھونکنا

بعض لوگ صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے تعویذ ، دم ، جھاڑ پھونک کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کھانے کمانے کے ڈھنگ ہیں قرآن میں اس کا ثبوت نہیں بلکہ جو ہوا پیٹ میں سے نکلتی ہے وہ گرم اور بیماری والی ہوتی ہے وہ پھونک بیمار کرے گی شفا نہ دے گی مگر یہ خیال قرآن کے خلاف ہے ۔

قرآن کریم نے دم کرنے اور پھونکنے کی تاثیر کا اعلان فرمایا ہے آیات ملاحظہ ہوں پھونکنے میں تاثیر ہے ۔

﴿۱﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ (پ ۱۴ ، الحجر : ۲۹)

رب تعالیٰ نے فرمایا تو جب میں آدم کے جسم کو ٹھیک کرلوں اور ان میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں تو ان کیلئے سجدے میں گر جانا

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے روح پھونک کر آدم علیہ السلام کو زندگی

بخشی رب تعالیٰ کا پھونکنا وہ ہے جو اس کی شان کے لائق ہو مگر لفظ پھونکنے کا استعمال فرمایا گیا بلکہ جان کو روح اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہ پھونکی ہوئی ہوا ہے۔ روح کے معنی ہوا، پھونک ہیں۔

﴿۲﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ۠ (پ ۲۸، التحریم: ۱۲)

اللہ بیان فرماتا ہے اور عمران کی بیٹی مریم کا جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی تو ہم نے اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کی باتوں اور کتابوں کی تصدیق کی اور فرماں برداروں میں ہوئی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے گریبان میں دم کیا جس سے آپ حاملہ ہوئیں اور عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اسی لئے آپ کا لقب روح اللہ بھی ہے اور کلمۃ اللہ بھی، یعنی اللہ کا دم یا اللہ کا کلمہ۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کچھ پڑھ کر حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر دم کیا جس سے یہ فیض دیا۔ اب بھی شفا وغیرہ کے لئے پڑھ کر دم ہی کرتے ہیں۔

﴿۳﴾ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْــٴَـةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِۚ (پ ۳، اٰل عمران: ۴۹)

فرمایا عیسیٰ نے کہ میں بناتا ہوں تمہارے لئے پرندے کی صورت پھر اس میں دم کرتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور کوڑھی اندھے کو اچھا کرتا ہوں اور مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام دم کر کے مردے زندہ کرتے تھے، کوڑھی اوراندھوں کو اچھا کرتے تھے، یہاں بھی دم سے ہی یہ فیض دیئے گئے۔

﴿۴﴾ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ (پ۲۳،الزمر:۶۸)

اور پھونکا جائے گا صور میں تو بیہوش ہوجائیں گے وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔

﴿۵﴾ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًاO(پ۳۰،النبا:۱۸)

جس دن پھونکا جاوے گا صور میں پس آؤ گے تم فوج درفوج۔

معلوم ہوا قیامت کے دن صور میں پھونکا جاوے گا جس سے مردے زندہ ہوں گے غرضیکہ ابتداء، انتہاء اور بقا ہمیشہ فیض دم سے ہوا اور ہوتا ہے اور ہوگا اسی لئے آج بھی صوفیاء قرآن کریم پڑھ کر دم کرتے ہیں خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیماروں پر قرآن شریف پڑھ کر دم فرماتے تھے کیونکہ جیسے پھولوں سے چھوکر ہوا میں خوشبو پیدا ہوجاتی ہے ایسے ہی جس زبان سے قرآن شریف پڑھا گیا ہو اس سے چھوکر جو ہوا آوے گی وہ شفا دے گی، اسی طرح تبرکات سے شفا ملتی ہے جیسا کہ اسی باب کے شروع میں آیات سے ثابت کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر۱۰

سارے صحابہ برحق ہیں

قرآن کریم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حقانیت وصداقت کا اعلان فرمارہا ہے، فرماتا ہے:

﴿۱﴾ الٓمّٓ ۝ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَارَیۡبَ ج فِیۡهِ (پ ۱،البقرۃ:۱۔۲) وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) شک کی جگہ نہیں اس میں۔

اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ قرآن میں کوئی شک وتردد نہیں۔شک کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو بھیجنے والا غلطی کرے یا لانے والا غلطی کرے یا جس کے پاس آیا ہو وہ غلطی کرے یا جنہوں نے اس سے سن کرلوگوں کو پہنچایا انہوں نے دیانت سے کام نہ لیا ہو۔اگر ان چاروں درجوں میں کلام محفوظ ہے تو واقعی شک وشبہ کے لائق نہیں۔قرآن شریف کا بھیجنے والا اللہ تعالیٰ، لانے والے حضرت جبریل علیہ السلام، لینے والے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضور سے لے کر ہم تک پہنچانے والے صحابہ کرام ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین) اگر قرآن شریف اللہ تعالیٰ، جبریل علیہ السلام، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک تو محفوظ رہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سچے نہ ہوں اور ان کے ذریعہ قرآن ہم کو پہنچے تو یقیناً قرآن میں شک پیدا ہوگیا کیونکہ فاسق کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں ہوتی۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنۡ جَآءَ کُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡا (پ ۲۶،الحجرات:۶) اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لاوے تو تحقیق کرلیا کرو۔

اب قرآن کا بھی اعتبار نہ رہے گا قرآن پر یقین جب ہی ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام کے تقویٰ ودیانت پر یقین ہو۔

﴿۲﴾ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۝ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ (پ ۱،البقرۃ:۲۔۳) قرآن ہدایت ہے ان متقیوں کو جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

یعنی اے کافرو! جن پرہیزگاروں یعنی جماعت صحابہ کو تم دیکھ رہے ہو انہیں

قرآن نے ہی ہدایت دی اور یہ لوگ قرآن ہی کی ہدایت سے ایسے اعلیٰ متقی بنے ہیں۔ قرآن کریم نے ہی ان کی کایاپلٹ دی اگر قرآن کا کمال دیکھنا ہوتو ان صحابہ کرام کا تقویٰ دیکھو۔اس آیت میں قرآن نے صحابہ کرام کے ایمان وتقویٰ کو اپنی حقانیت کی دلیل بنایا اگر وہاں ایمان وتقویٰ نہ ہوتو قرآن کا دعویٰ بلا دلیل رہ گیا۔

﴿۳﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ○ (پ۱۰،الانفال:۷۴)

اور وہ جو ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ جنہوں نے رسول کو جگہ دی اوران کی مدد کی وہ سچے مسلمان ہیں ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

اس آیت میں صحابہ کرام، مہاجرین اور انصار کا نام لے کر انہیں سچا مومن، متقی اور مغفور فرمایا گیا۔

﴿٤﴾ لِلْفُقَرَآءِ الْمُھٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○(پ۲۸،الحشر:۸)

ان فقیر ہجرت والوں کے لئے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اللہ کا فضل اوراس کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ ورسول کی مدد کرتے ہیں وہ ہی سچے ہیں۔

اس آیت میں تمام مہاجر صحابہ کو نام و پتہ بتا کر سچا کہا گیا ہے یعنی یہ ایمان میں سچے اور اقوال کے پکے ہیں۔

﴿۵﴾ وَالَّذِیۡنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالۡاِیۡمَانَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ یُحِبُّوۡنَ مَنۡ هَاجَرَ اِلَیۡهِمۡ وَلَا یَجِدُوۡنَ فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوۡتُوۡا وَیُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ وَلَوۡ کَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ قف وَمَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ○ (پ ۲۸، الحشر: ۹)

اور وہ جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنالیا دوست رکھتے ہیں انہیں جوان کی طرف ہجرت کر کے آئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی جان پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں بہت محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہ ہی کامیاب ہے۔

اس آیت میں انصار مدینہ کو نام لے کر پتہ بتا کر کامیاب فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ سارے مہاجرین وانصار سچے اور کامیاب ہیں۔

﴿۶﴾ لَا یَسۡتَوِیۡ مِنۡکُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ وَقَاتَلَ ط اُولٰٓئِکَ اَعۡظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیۡنَ اَنۡفَقُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَقَاتَلُوۡا ط وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الۡحُسۡنٰی ط (پ ۲۷، الحدید: ۱۰)

تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح خرچ اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا ہے۔

اس آیت نے بتایا کہ سارے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے رب تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے لیکن وہ خلفاء راشدین جو فتح مکہ سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار رہے وہ بہت درجے والے ہیں ان کے درجہ تک کسی کے وہم وگمان کی رسائی نہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے ساری دنیا کو قلیل یعنی تھوڑا فرمایا اور اتنے بڑے عرش کو عظیم یعنی بڑا فرمایا لیکن ان خلفائے راشدین کے درجہ کو چھوٹا نہ کہا، بڑا نہ فرمایا بلکہ

اعظم یعنی بہت ہی بڑا فرمایا۔

﴿۷﴾ وَسَیُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَی ○ الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی ○ وَمَا لِاَحَدٍ عِنۡدَهٗ مِنۡ نِّعۡمَةٍ تُجۡزٰۤی ○ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ الۡاَعۡلٰی ○ وَلَسَوۡفَ یَرۡضٰی ○ (پ ۳۰، اللیل:۱۷۔۲۱)

اور دوزخ سے بہت دور رکھا جائے گا وہ سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے تا کہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جاوے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بھاری قیمت دے کر خریدا اور آزاد کیا، کفار نے حیرت سے کہا کہ شاید حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کا آپ پر کوئی احسان ہوگا جس کا بدلہ ادا کرنے کے لئے آپ نے اتنی بڑی قیمت سے خرید کر آزاد کیا۔ ان کفار کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی اس میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حسب ذیل خصوصی صفات بیان ہوئے:

ان کا دوزخ سے بہت دور رہنا، ان کا سب سے بڑا متقی ہونا یعنی اتقی، ان کا بے مثل سخی ہونا، ان کے اعمال طیبہ طاہرہ کا ریا سے پاک ہونا خالص رب عزوجل کے لیے ہونا اور جنت میں انہیں رب تعالٰی کی طرف سے ایسی نعمتیں ملنا جس سے وہ راضی ہو جاویں۔

لطیفہ: اللہ تعالٰی نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے لئے فرمایا وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ○ (الضحیٰ:۵) آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جاویں گے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے فرمایا وَلَسَوۡفَ یَرۡضٰی ○ (اللیل:۲۱) عنقریب صدیق راضی ہو جاویں گے۔ معلوم ہوا کہ آپ کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے

بہت ہی قرب ہے۔

﴿۹﴾ یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ
اے نبی آپ کو اللہ اور آپ کی پیروی کرنے والے یہ مومن کافی ہیں۔

(پ۱۰،الانفال:٦٤)

یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے پر نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ حقیقتاً آپ کو اللہ کافی ہے اور عالم اسباب میں عمر کافی ہیں۔

﴿۱۰﴾ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ
جو صحابہ ان نبی کے ساتھی ہیں وہ کافروں پر سخت، آپس میں نرم ہیں۔

(پ٢٦،الفتح:٢٩)

﴿۱۱﴾ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ ج وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ قف کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ...اِلٰی اَنْ قَالَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ ط (پ٢٦،الفتح:٢٩)
یہ جماعت صحابہ وہ ہیں جن کی مثال توریت وانجیل میں اس کھیت سے دی گئی ہے جس نے اپنا پٹھا نکالا...(یہاں تک کہ فرمایا) تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمہارے صحابہ کے نام کے ڈنکے ہم نے توریت وانجیل میں بجادیئے وہ تو میری ہری بھری کھیتی ہیں جنہیں دیکھ کر میں تو خوش ہوتا ہوں اور میرے دشمن رافضی جلتے ہیں۔

لطیفہ: قرآن کریم نے بعض لوگوں پر صاف صاف فتویٰ کفر دیا ایک تو نبی کی توہین کرنے والے، اور دوسرے صحابہ کرام کے دشمن، صحابہ کرام کے دشمنوں پر رب تعالیٰ نے کفر کا فتویٰ دیا کسی اور سے نہ دلوایا۔

﴿۱۲﴾ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ (پ ۱۰، التوبۃ: ۴۰)

ابوبکر دو میں کے دوسرے ہیں جبکہ وہ غار میں ہیں جب فرماتے تھے رسول اپنے ساتھی سے غم نہ کر۔

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں اتری، اس میں اس واقعہ کا ذکر ہے کہ جب غار میں یار کو لے کر بیٹھے اور مار سے اپنے کو کٹوایا۔ اس آیت نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا صراحۃً اعلان فرمایا، ان کی صحابیت ایسی ہی قطعی اور یقینی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کیونکہ جس قرآن نے توحید و رسالت کا صراحۃً اعلان کیا، اسی قرآن نے صدیق کی صحابیت کا ڈنکا بجایا لہذا ان کی صحابیت و عدالت پر ایمان لانا ایسا ہی ضروری ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا اور ان کی صحابیت کا منکر ایسا ہی بے دین ہے جیسے توحید و نبوت کا منکر۔

﴿۱۳﴾ لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝ (پ ۴، ال عمران: ۱۳۹)

نہ سست پڑو تم لوگ نہ غمگین ہو اور تم ہی بلند ہو اگر تم سچے مومن ہو۔

﴿۱۴﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۪ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًاؕ (پ ۱۸، النور: ۵۵)

اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسی ان سے پہلوں کو دی اور ضرور جمادے گا ان کے لئے ان کا وہ دین جو ان کیلئے پسند کیا اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

ان دو آیتوں میں مسلمانوں سے دو شرطوں پر چند وعدے کئے گئے ہیں شرطیں ایمان اور تقویٰ کی ہیں ان سے وعدہ ہے۔﴿۱﴾ بلندی ﴿۲﴾ خلافت دنیا ﴿۳﴾ خوف کے بعد امن بخشنا ﴿٤﴾ دین کو مضبوط کرنا۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو بلندی بھی دی زمین میں خلافت بھی بخشی، امن بھی عطا کیا اور ان کے زمانہ میں دین کو ایسا مضبوط فرمایا کہ آج اس مضبوطی کی وجہ سے اسلام قائم ہے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دونوں شرطیں بھی پوری کیں اور مومن بھی رہے اور پرہیز گار متقی بھی، ورنہ انہیں یہ چار نعمتیں نہ دی جاتیں۔

یہ چند آیات بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ قرآن کریم کی بہت سی آیات ان حضرات کے فضائل میں ہیں اور کیوں نہ ہوں یہ حضرات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمال کا مظہر ہیں جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات رب تعالیٰ کے کمال کا نمونہ ہے جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص رب تعالیٰ کے کمال کا انکار ہے ایسے ہی ان کا انکار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمال کا انکار ہے استاد کا زور علمی شاگردوں کی لیاقت سے معلوم ہوتا ہے۔ اگر صف اول کی نماز فاسد ہو تو پچھلی صفوں کی نماز درست نہیں ہو سکتی کیونکہ امام کو دیکھنے والی صف اول ہی ہے، اگر انجن کے پیچھے والا ڈبہ انجن سے کٹ کر رہ جائے تو پچھلے ڈبے کبھی سفر نہیں کر سکتے، وہ حضرات اسلام کی صف اول ہیں اور ہم آخری صفیں وہ گاڑی کا اگلا ڈبہ ہم پچھلے۔ اگر وہ ایمان سے رہ گئے تو ہم کیسے مومن ہو سکتے ہیں؟

اعتراض: ان آیتوں کے نزول کے وقت تو یہ سب مومن تھے مگر حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت کا حق چھین کر اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم نہ کرنے کی وجہ سے اسلام سے نکل گئے یہ آیات اسوقت کی ہیں بعد سے انہیں کوئی تعلق نہیں۔

جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اگر خلفاء راشدین کا انجام اچھا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کے فضائل قرآن شریف میں بیان نہ فرماتا نیز رب تعالیٰ نے ان مذکورہ آیتوں میں خبر دی کہ یہ دوزخ سے بہت دور رہیں گے، ہم انہیں اتنا دیں گے کہ وہ راضی ہوجاویں گے ہم نے ان سب سے جنت کا وعدہ کرلیا۔ یہ باتیں انجام بخیر سے ہی حاصل ہوسکتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر یہ حضرات ایمان سے پھر گئے ہوتے تو اہلبیت اطہار خصوصاً حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے خلیفۂ رسول وہ ہوسکتا ہے جو مومن متقی ہو بلکہ جیسے حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صفین میں جنگ کی اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کربلا میں جان دے دی مگر یزید کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا، اس وقت بھی وہ جنگ کرتے۔

تیسرے یہ کہ جیسے صدیق اکبر وفاروق اعظم وعثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد ان کی خلافتیں میراث کے طور پر ان کی اولاد کو نہ ملیں بلکہ جس پر سب کا اتفاق ہوگیا وہ خلیفہ ہوگیا اسی طرح نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت میں نہ میراث تھی نہ کسی کی ملکیت بلکہ رائے عامہ پر ہی انتخاب ہوا۔

چوتھے یہ کہ پیغمبر کی میراث مال نہیں بلکہ علم ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (پ۱۹،النمل:۱۶)	اور وارث ہوئے سلیمان داؤد کے اور فرمایا کہ ہم کو پرندوں کی بولی کا علم دیا گیا۔

دیکھو داؤد علیہ السلام کے بہت بیٹے تھے مگر وارث صرف حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے اور مال کے نہیں بلکہ علم کے وارث ہوئے اسی لئے نبی کی بیویاں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی میراث نہ پاسکیں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم نہ فرمائی۔

اعتراض: تم کہتے ہو کہ سارے صحابہ متقی پرہیزگار ہیں حالانکہ قرآن شریف انہیں فاسق کہہ رہا ہے۔ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (پ۲۶،الحجرات:۶)	اے مومنو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کسی قسم کی خبر لائے تو تحقیق کرلیا کرو۔

ولید بن عقبہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آ کر خبر دی تھی کہ فلاں قوم نے زکوۃ نہ دی۔ اس پر یہ آیت اتری جس میں ولید صحابی کو فاسق کہا گیا اور فاسق متقی نہیں ہوسکتا۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں، **ایک** یہ کہ یہاں ان کو فاسق نہ کہا گیا بلکہ ایک قانون بیان کیا گیا کہ آئندہ اگر کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیقات کرلیا کرو۔ **دوسرے** یہ کہ اس خاص وقت میں ان کو فاسق گنہگار کہا گیا صحابی سے گناہ سرزد ہوسکتا ہے وہ

معصوم نہیں ہاں اس پر قائم نہیں رہتے توبہ کی توفیق مل جاتی ہے جیسے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زنا ہو گیا مگر بعد میں ایسی توبہ نصیب ہوئی کہ سبحان اللہ!

مسئلہ نمبر ۱۱

عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ ہوئے

سارے مسلمانوں کا عقیدہ تھا اور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا فرمایا اور اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا مگر اب موجودہ زمانہ میں قادیانیوں نے اس کا انکار کیا، ان کی دیکھا دیکھی بعض بھولے جاہل مسلمان بھی اس ظاہری مسئلہ کے منکر ہو گئے اور کہنے لگے کہ قرآن سے یہ ثابت نہیں حالانکہ قرآن شریف اس کا بہت زور شور سے اعلان فرما رہا ہے، رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿۱﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ (پ ۳، اٰل عمرٰن: ۵۹ ۔ ۶۰)	بے شک عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے کہ اسے مٹی سے بنایا پھر اس سے فرمایا کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے تو تم شک والوں میں سے نہ ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے تشبیہ دی کہ جیسے آدم علیہ السلام بغیر نطفے کے پیدا ہوئے ایسے ہی آپ بھی۔ جب آدم علیہ السلام خدا کے بیٹے نہ ہوئے تو اے عیسائیو! عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے کب ہو سکتے ہیں؟ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عام انسانوں کی طرح ہوتی تو انہیں آدم علیہ السلام سے تشبیہ نہ دی جاتی۔

﴿۲﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ (پ۱۶، مریم:۲۰) قَالَ كَذٰلِكِ ج قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ ج وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ج (پ۱۶، مریم:۲۱)

مریم نے جبریل سے کہا کہ میرے بیٹا کیسے ہوسکتا ہے مجھے تو کسی مرد نے چھوا بھی نہیں فرمایا ایسے ہی ہوگا تمہارے رب نے فرمایا کہ یہ کام مجھ پر آسان ہے اور تا کہ بنائیں ہم اس بچہ کو لوگوں کے لئے نشان اور اپنی طرف سے رحمت۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیٹا ملنے کی خبر پر حیرت کی کہ بغیر مرد کے بیٹا کیسے پیدا ہوگا اور انہیں رب کی طرف سے جواب ملا کہ اس بچہ سے رب تعالیٰ کی قدرت کا اظہار مقصود ہے لہذا ایسے ہی بغیر باپ کے ہوگا، اگر آپ کی پیدائش معمول کے مطابق تھی تو تعجب کے کیا معنی اور رب تعالیٰ کی نشانی کیسی؟

﴿۳﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ط قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ٥ (پ۱۶، مریم:۲۷)

تو انہیں گود میں اپنی قوم کے پاس لائیں بولے اے مریم تو نے بہت بری بات کی۔

معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر لوگوں نے حضرت مریم کو بہتان لگایا اگر آپ خاوند والی ہوتیں تو اس بہتان کی کیا وجہ ہوتی۔

﴿۴﴾ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ٥ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ قف (پ۱۶، مریم:۲۹۔۳۰)

پھر مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کردیا وہ بولے ہم کیسے بات کریں اس سے جو پالنے میں بچہ ہے بچہ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں ہی گویائی دی اور آپ علیہ السلام نے خود اپنی ماں کی پاکدامنی اور رب تعالیٰ کی قدرت بیان فرمائی اگر آپ کی پیدائش باپ سے ہے تو اس معجزے اور گواہی کی ضرورت نہ تھی۔

﴿۵﴾ اِنَّمَا الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ وَ کَلِمَتُہٗ ۚ اَلۡقٰہَاۤ اِلٰی مَرۡیَمَ وَ رُوۡحٌ مِّنۡہُ

عیسیٰ مریم کا بیٹا اللہ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور رب کی طرف سے ایک روح

(پ ٦،النسآء: ١٧١)

اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کو مریم کا بیٹا فرمایا حالانکہ اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے نہ کہ ماں کی طرف آپ کا اگر والد ہوتا تو آپ کی نسبت اسی کی طرف ہونی چاہیے تھی نیز قرآن کریم نے کسی عورت کا نام نہ لیا اور نہ کسی کی پیدائش کا واقعہ اس قدر تفصیل سے بیان فرمایا چونکہ آپ کی پیدائش عجیب طرح صرف ماں سے ہے لہذا ان بی بی کا نام بھی لیا اور واقعہ پیدائش پورے ایک رکوع میں بیان فرمایا، نیز انہیں کلمۃ اللہ اور اللہ کی روح فرمایا، معلوم ہوا کہ آپ کی پیدائش ایک کلمہ سے ہے اور آپ کی روح مافوق الاسباب آئی ہے۔

﴿٦﴾ وَ یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَہۡدِ وَ کَہۡلًا وَّ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ۝

عیسیٰ کلام کریں گے لوگوں سے پالنے سے اور پکی عمر میں اور خاص نیکوں میں ہوں گے۔

(پ ٣،ال عمرٰن: ٤٦)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت بچپن اور بڑھاپے میں کلام کرنا ہے بچپن میں کلام کرنا تو اس لئے معجزہ ہے کہ بچے اتنی عمر میں بولا نہیں کرتے

اور بڑھاپے میں کلام کرنا اس لئے معجزہ ہے کہ آپ بڑھاپے سے پہلے آسمان پر گئے اور وہاں سے آ کر بوڑھے ہوکر کلام کریں گے۔

ان آیات مذکورہ بالا سے روز روشن کی طرح آپکا بغیر باپ کے پیدا ہونا ظاہر ہوا۔

اعتراض: اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ انسان بلکہ سارے حیوانات کو نطفے سے پیدا فرمادے اور قانون کی مخالفت ناممکن ہے لہذا عیسیٰ علیہ السلام کا خلاف قانون پیدا ہونا غیر ممکن ہے۔ رب تعالیٰ صاف فرمارہا ہے:

﴿۱﴾ اِنَّاخَلَقْنَاالْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا ۢ بَصِیْرًا ○ (پ ۲۹، الدھر: ۲)

بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو ماں باپ کے مخلوط نطفے سے کہ ہم اسے آزمائیں پس ہم نے اسے سننے دیکھنے والا بنادیا۔

﴿۲﴾ وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ط (پ ۱۹، الفرقان: ۵۴)

اور وہی ہے جس نے پانی سے بنایا آدمی پھر اس کے رشتے اور سسرال مقرر کردی۔

﴿۳﴾ وَجَعَلْنَامِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ○ (پ ۱۷، الانبیآء: ۳۰)

اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی تو کیا وہ ایمان نہ لائیں گے۔

﴿۴﴾ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ج (پ ۲۲، فاطر: ۴۳)

اور تم ہر گز اللہ کے قانون کو بدلتا ہوا نہ پاؤ گے۔

﴿۵﴾ وَلَاتَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا ○ (پ ۱۵، بنیٓ اسرآءیل: ۷۷)

اور تم ہمارا قانون بدلتا ہوا نہ پاؤ گے۔

ان آیتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ تمام انسان اور حیوانات کی پیدائش کا قانون یہ ہے کہ اس کی پیدائش نطفے سے ہو۔ دوسرے یہ کہ خدا کے قانون میں تبدیلی ناممکن ہے اگر عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ مانی جائے تو ان آیات کے خلاف ہوگا۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی، دوسرا تحقیقی۔

الزامی جواب تو یہ ہے کہ آدم علیہ السلام بغیر نطفے کے پیدا ہوئے ہمارے سروں میں جوئیں، چار پائی میں کھٹمل، پیٹ اور زخم میں کیڑے بغیر نطفے کے دن رات پیدا ہوتے ہیں، برسات میں کیڑے، پھل میں جانور بغیر نطفے کے پیدا ہوتے ہیں بتاؤ یہ قانون کے خلاف کیوں ہوا۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ معجزات اور کرامات اولیاء خود قانون الٰہی ہیں یعنی رب تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ نبی اور ولی پر حیرت انگیز باتیں ظاہر ہوں تو آپ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اس معجزے کے قانون کے ماتحت ہے تمہاری پیش کردہ آیات کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق خدا کے قانون میں تبدیلی نہیں کرسکتی اگر خالق خود کرے تو وہ قادر ہے۔ انسان کی پیدائش نطفے سے ہونا قانون ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر نطفے کے ہونا قدرت ہے ہم قانون کو بھی مانتے ہیں اور قدرت کو بھی، رب تعالیٰ قانون کا پابند نہیں ہم پابند ہیں۔

دیکھو قانون یہ ہے کہ آگ جلادے مگر ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلایا یہ قدرت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ۙ (پ۱۷،الانبیآء:۶۹) ہم نے کہا کہ اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوجا۔

اسی طرح اور بہت سارے معجزات کا حال ہے اللہ تعالیٰ قادر وقیوم ہے جو چاہے کرے اس کی قدرتوں کا انکار کرنا اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔رب تعالیٰ ہم سب کو اس راستہ پر چلائے جو اس کے نیک بندوں کا ہے اور اس زمانہ کی ہواؤں سے ہمارا ایمان محفوظ رکھے۔آمین آمین یارب العالمین!

وصلی اللّٰہ تعالٰی علی خیر خلقه سیدنا محمد و اٰله واصحابه اجمعین

آمین برحمته وهو ارحم الرحمین.

ناچیز احمد یار خاں،۵ ذیقعد ۱۳۷۱ھ، یوم دوشنبہ مبارکہ

''یہ کتاب ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ، دوشنبہ کو شروع ہوکر ۵ ذیقعد ۱۳۷۱ھ، دوشنبہ کو یعنی ایک ماہ بارہ دن میں اختتام کو پہنچی۔جو کوئی اس سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ گنہگار کے لئے حسن خاتمہ کی دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ سے مجھے کلمہ طیبہ پر خاتمہ نصیب کرے اور مجھ گنہگار کی مغفرت فرمادے، اسی لالچ میں یہ محنت کی ہے۔''

احمد یار خاں

مجلس المدینۃ العلمیۃ کی طرف سے پیش کردہ قابلِ مطالعہ کتب

﴿شعبہ کُتُبِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ﴾

(۱) کرنسی نوٹ کے شرعی اَحکامات (کِفْلُ الْفَقِیْهِ الْفَاهِمِ فِیْ اَحْکَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمِ) (کل صفحات:199)

(۲) ولایت کا آسان راستہ (تصورِ شیخ) (اَلْیَاقُوْتَةُ الْوَاسِطَةُ) (کل صفحات:60)

(۳) ایمان کی پہچان (حاشیہ تمہید ایمان) (کل صفحات:74)

(۴) معاشی ترقی کا راز (حاشیہ وتشریح تدبیر فلاح ونجات واصلاح) (کل صفحات:41)

(۵) شریعت وطریقت (مَقَالُ الْعُرَفَاءِ بِاِعْزَازِ شَرْعٍ وَعُلَمَاءِ) (کل صفحات:57)

(۶) ثبوتِ ہلال کے طریقے (طُرُقُ اِثْبَاتِ هِلَالٍ) (کل صفحات:63)

(۷) اعلیٰ حضرت سے سوال جواب (اِظْهَارُ الْحَقِّ الْجَلِیِّ) (کل صفحات:100)

(۸) عیدین میں گلے ملنا کیسا؟ (وِشَاحُ الْجِیْدِ فِیْ تَحْلِیْلِ مُعَانَقَةِ الْعِیْدِ) (کل صفحات:55)

(۹) راہِ خدا عزوجل میں خرچ کرنے کے فضائل (رَادُّ الْقَحْطِ وَالْوَبَاءِ بِدَعْوَةِ الْجِیْرَانِ وَمُوَاسَاةِ الْفُقَرَاءِ) (کل صفحات:40)

(۱۰) والدین، زوجین اور اساتذہ کے حقوق (اَلْحُقُوْقُ لِطَرْحِ الْعُقُوْقِ) (کل صفحات:125)

(۱۱) دعاء کے فضائل (اَحْسَنُ الْوِعَاءِ لِآدَابِ الدُّعَاءِ مَعَهٗ ذَیْلُ الْمُدَّعَا لِاَحْسَنِ الْوِعَاءِ) (کل صفحات:140)

شائع ہونے والی عربی کتب:

ازامام اہلِ سنت مجدد دین وملت مولانا احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن

(۱۲) کِفْلُ الْفَقِیْهِ الْفَاهِمِ (کل صفحات:74)۔ (۱۳) تَمْهِیْدُ الْاِیْمَانِ۔ (کل صفحات:77) (۱۴) اَلْاِجَازَاتُ الْمَتِیْنَةُ (کل صفحات:62)۔ (۱۵) اِقَامَةُ الْقِیَامَةِ (کل صفحات:60) (۱۶) اَلْفَضْلُ الْمَوْهَبِیُّ (کل صفحات:46) (۱۷) اَجْلَی الْاِعْلَامِ (کل صفحات:70) (۱۸) اَلزَّمْزَمَةُ الْقَمَرِیَّةُ (کل صفحات:93) (۱۹، ۲۰) جَدُّ الْمُمْتَارِ عَلٰی رَدِّ الْمُحْتَارِ (المجلد الاول والثانی) (کل صفحات:570، 672)

﴿شعبہ اصلاحی کتب﴾

(۲۱) خوفِ خدا عزوجل (کل صفحات:160)
(۲۲) انفرادی کوشش (کل صفحات:200)
(۲۳) تنگ دستی کے اسباب (کل صفحات:33)
(۲۴) فکرِ مدینہ (کل صفحات:164)
(۲۵) امتحان کی تیاری کیسے کریں؟ (کل صفحات:32)
(۲۶) نماز میں لقمہ کے مسائل (کل صفحات:39)
(۲۷) جنت کی دو چابیاں (کل صفحات:152)
(۲۸) کامیاب استاذ کون؟ (کل صفحات:43)
(۲۹) نصاب مدنی قافلہ (کل صفحات:196)
(۳۰) کامیاب طالب علم کون؟ (کل صفحات: تقریباً63)
(۳۱) فیضانِ احیاء العلوم (کل صفحات:325)
(۳۲) مفتیٔ دعوتِ اسلامی (کل صفحات:96)
(۳۳) حق وباطل کا فرق (کل صفحات:50)
(۳۴) تحقیقات (کل صفحات:142)

(۳۵) اربعین حنفیہ (کل صفحات:112) (۳۶) عطاری جن کا غسلِ میّت (کل صفحات:24)

(۳۷) طلاق کے آسان مسائل (کل صفحات:30) (۳۸) توبہ کی روایات وحکایات (کل صفحات:124)

(۳۹) قبر کھل گئی (کل صفحات:48) (۴۰) آداب مرشد کامل (مکمل پانچ حصے) (کل صفحات275)

(۴۱) ٹی وی اور مُووی (کل صفحات:32) (۴۲ تا ۴۸) فتاوی اہل سنت (سات حصے)

(۴۹) قبرستان کی چڑیل (کل صفحات:24) (۵۰) غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کے حالات (کل صفحات:106)

(۵۱) تعارفِ امیر اہلسنّت (کل صفحات:100) (۵۲) رہنمائے جدول برائے مدنی قافلہ (کل صفحات255)

(۵۳) دعوتِ اسلامی کی جیل خانہ جات میں خدمات (کل صفحات:24)

(۵۴) مدنی کاموں کی تقسیم (کل صفحات:68) (۵۵) دعوتِ اسلامی کی مَدَنی بہاریں (کل صفحات:220)

(۵۶) تربیتِ اولاد (کل صفحات:187) (۵۷) آیاتِ قرانی کے انوار (کل صفحات:62)

(۵۸) احادیثِ مبارکہ کے انوار (کل صفحات:66) (۵۹) فیضانِ چہل احادیث (کل صفحات:120)

(۶۰) بدگمانی (کل صفحات:۵۷)

شعبہ تراجمِ کتب

(۶۱) جنت میں لے جانے والے اعمال (اَلْمَتْجَرُ الرَّابِحُ فِیْ ثَوَابِ الْعَمَلِ الصَّالِحِ) (کل صفحات:۷۴۳)

(۶۲) شاہراہ اولیاء (مِنْهَا جُ الْعَارِفِيْنَ) (کل صفحات:36)

(۶۳) حسنِ اخلاق (مَكَارِمُ الْاَخْلَاق) (کل صفحات:74)

(۶۴) راہِ علم (تَعْلِيْمُ الْمُتَعَلِّم طَرِيْقَ التَّعَلُّم) (کل صفحات102)

(۶۵) بیٹے کو نصیحت (اَيُّهَاالْوَلَد) (کل صفحات:64) (۶۶) الدعوة الی الفکر (کل صفحات148)

(۶۷) نیکیوں کی جزائیں اور گناہوں کی سزائیں (قُرَّةُالْعُيُوْنِ وَمُفَرِّحُ الْقَلْبِ الْمَحْزُوْن) (کل صفحات136)

(۶۸) آنسوؤں کا دریا (بَحْرُ الدُّمُوْع) (کل صفحات:301)

شعبہ درسی کتب

(۶۹) تعریفاتِ نحویہ (کل صفحات:45) (۷۰) کتاب العقائد (کل صفحات:64)

(۷۱) نزهة النظر شرح نخبة الفكر (کل صفحات:175) (۷۲) اربعین النوویہ (کل صفحات:121)

(۷۳) نصاب التجوید (کل صفحات:79) (۷۴) گلدستہ عقائد و اعمال (کل صفحات180)

(۷۵) وقاية النحو فی شرح هداية النحو

شعبہ تخریج

(۷۶) عجائب القران مع غرائب القران (کل صفحات:422) (۷۷) جنتی زیور (کل صفحات:679)

(۷۸ تا ۸۲) بہارِ شریعت (پانچ حصے) (۸۳) اسلامی زندگی (کل صفحات:170)

(۸۴) آئینۂ قیامت (کل صفحات:108) (۸۵) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم (کل صفحات274)

(۸۶) اُمہات المؤمنین (کل صفحات:59)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُنّت کی بہاریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ تبلیغِ قرآن وسُنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک **دعوتِ اسلامی** کے مہکے مہکے مَدَنی ماحول میں بکثرت سُنّتیں سیکھی اور سکھائی جاتی ہیں، ہر جُمعرات مغرِب کی نَماز کے بعد آپ کے شہر میں ہونے والے دعوتِ اسلامی کے ہفتہ وار سُنّتوں بھرے اجتماع میں ساری رات گزارنے کی مَدَنی اِلتجا ہے، عاشقانِ رسول کے مَدَنی قافلوں میں سُنّتوں کی تربیت کے لیے سفر اور روزانہ **"فکرِ مدینہ"** کے ذَرِیعے مَدَنی اِنعامات کا رِسالہ پُر کر کے اپنے یہاں کے ذِمّہ دار کو جمع کروانے کا معمول بنا لیجئے، اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اِس کی بَرَکت سے پابندِ سنّت بننے، گناہوں سے نفرت کرنے اور ایمان کی حفاظت کے لیے کُڑھنے کا ذِہن بنے گا۔

ہر اسلامی بھائی اپنا یہ ذِہن بنائے کہ **"مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اِصلاح کی کوشش کرنی ہے۔"** اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اپنی اِصلاح کے لیے **"مَدَنی اِنعامات"** پر عمل اور ساری دنیا کے لوگوں کی اِصلاح کی کوشش کے لیے **"مَدَنی قافلوں"** میں سفر کرنا ہے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ

مکتبۃ المدینہ کی شاخیں

- کراچی: شہید مسجد، کھارادر۔ فون: 021-32203311
- لاہور: داتا دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ۔ فون: 042-37311679
- سردار آباد (فیصل آباد): امین پور بازار۔ فون: 041-2632625
- کشمیر: چوک شہیداں میرپور۔ فون: 058274-37212
- حیدرآباد: فیضان مدینہ، آفندی ٹاؤن۔ فون: 022-2620122
- ملتان: نزد پیپل والی مسجد، اندرون بوہڑ گیٹ۔ فون: 061-4511192
- اوکاڑہ: کالج روڈ بالمقابل غوثیہ مسجد نزد تحصیل کونسل ہال۔ فون: 044-2550767
- راولپنڈی: فضل داد پلازہ، کمیٹی چوک، اقبال روڈ۔ فون: 051-5553765
- پشاور: فیضان مدینہ گلبرگ نمبر 1 النور سٹریٹ، صدر۔
- خان پور: دُرانی چوک نہر کنارہ۔ فون: 068-5571686
- نواب شاہ: چکرا بازار نزد MCB۔ فون: 0244-4362145
- سکھر: فیضان مدینہ بیراج روڈ۔ فون: 071-5619195
- گوجرانوالہ: فیضان مدینہ شیخوپورہ موڑ، گوجرانوالہ۔ فون: 055-4225653
- گلزار طیبہ (سرگودھا) فیصل مارکیٹ، بالمقابل جامع مسجد سید حامد علی شاہ۔ 048-6007128

مکتبۃ المدینہ (دعوتِ اسلامی)

فیضانِ مدینہ، محلّہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، باب المدینہ (کراچی)

فون: 34921389-93/34126999 فیکس: 34125858

Web: www.dawateislami.net / Email:maktaba@dawateislami.net